جماعت اسلامی ہند

جہدِ مسلسل کے 75 سال

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی-۲۵

جماعت اسلامی ہند کی تاریخ بڑی انوکھی ہے۔ اس کے افراد کبھی ثابت نہ ہونے والے الزامات میں بارہا جیلوں میں بند کیے جاتے رہے اور ہر بڑی آفت پر تن من دھن کے ساتھ ریلیف کے کاموں میں مصروف نظر آتے رہے۔ ایک طرف سیکولر قوتیں جماعت کا گلا گھونٹنے کے درپے ہوتی ہیں، دوسری طرف جماعت فاشزم کا سیلاب روکنے اور سیکولر قوتوں کو مضبوط کرنے میں لگی ہوتی ہے۔ ملت کے درمیان جماعت معتوب بھی رہتی ہے اور ملت کو متحد و مضبوط کرنے کے لیے کوشاں بھی رہتی ہے۔ اس کے افراد کا کردار اتنا بلند ہوتا ہے کہ ان کے اپنے نظریاتی مخالفین جیلوں میں اور دوسرے موقعوں پر ان سے متاثر ہو کر ان کی تعریف کرتے ہیں، جب کہ اپنی ہی ملت کے بعض لوگ کبھی کبھی اس کو بدنام کرنے کی مہمات چلاتے ہیں۔ ہر دور کا سرکاری میڈیا ان پر فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے کا الزام لگاتا ہے اور وہ ہر دور میں سماج میں پھیلی نفرت کی آگ بجھانے کے درپے ہوتے ہیں۔

جماعت کی تاریخ متعدد سمتوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ دعوت و تبلیغ، اصلاح و تربیت، رفاہی خدمات، تعلیمی خدمات، ملت کا تحفظ و ترقی، ملک میں عدل و انصاف، اخلاقی اقدار کا فروغ، فرقہ وارانہ منافرت کا خاتمہ، سماجی منکرات کا ازالہ۔ ان تمام جہتوں کا اگر کوئی ایک عنوان بن سکتا ہے تو وہ اقامتِ دین کی جامع اصطلاح ہے۔

کاروانِ اقامتِ دین کی پہلی تشکیل

جماعت اسلامی کی تشکیل اواخر اگست 1941 میں عمل میں آئی۔ ابتدا میں صرف 75 افراد تھے، جنھوں نے اس دعوت پر لبیک کہہ کر اسلام کو ایک تحریک کی شکل میں جاری کرنے کے لیے پیش قدمی کی۔ دین کو تحریک کی شکل میں جاری کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ہماری

زندگی میں دین داری محض ایک انفرادی رویہ کی صورت میں ساکت وجامد ہو کر نہ رہ جائے بلکہ ہم اجتماعی صورت میں نظام دین کو عملاً نافذ و قائم کرنے کی جدوجہد کریں۔ تشکیل جماعت کے وقت سے تقسیم ہند تک اسی صالح فکری انقلاب کی دعوت جماعت نے متحدہ ہندوستان کے باشندوں کو دی۔ اس نے مادہ پرستی، آخرت فراموشی اور لادینیت کی بنیادوں پر قائم موجودہ نظام ہائے حیات کی خرابیوں کو کھول کھول کر بیان کیا، تمام باشندگان ملک کو بالعموم اور مسلمانوں کو بالخصوص خدا کی بندگی و اطاعت کی طرف بلایا اور انھیں اس حقیقت سے روشناس کرایا کہ ان کی دنیا و آخرت دونوں کی کامرانی ایک ایسے نظام حیات کے برپا کرنے میں ہے جس کی بنیاد خدا کی الوہیت و حاکمیت اور آخرت کی جواب دہی پر قائم ہے۔

اس آواز پر تقسیم ہند سے پہلے تو کچھ زیادہ لوگ متوجہ نہیں ہوئے جس کی ایک وجہ یہ تھی کہ جماعت کی دعوت کا تعارف زیادہ وسیع حلقے میں نہ ہوسکا تھا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اس وقت ملک کے مخصوص سیاسی حالات نے لوگوں کی توجہات کو اپنی طرف کھینچ رکھا تھا۔ لیکن الحمد للہ اب (آزادی کے بعد ساٹھ کی دہائی میں) اس دعوت کے وسیع طور پر متعارف ہوجانے کے نتیجہ میں کفر بالطاغوت، بندگی رب، وحدتِ انسانیت، حاکمیت الٰہ، خلافتِ جمہور اور اسلامی نظام زندگی جیسی اصطلاحات نہ صرف یہ کہ عام طور سے مسلمانوں میں معروف ہوچکی ہیں بلکہ ملک کے بہت سے مسلمان اور کتنے ہی غیر مسلم حضرات اسلام کے عملی تقاضوں سے بھی واقف ہو چکے ہیں۔" (افضل حسین، دعوت، تیسرا اجتماع نمبر 1960)

گاندھی جی کا مشاہدہ

آزادی سے پہلے تک جماعت اسلامی پورے ملک میں تو قائم نہیں ہوسکی تھی تاہم اس کے اثرات غیر معمولی تھے۔ اسی زمانے کی بات ہے، پورے ملک کی طرح ریاست بہار بھی فرقہ وارانہ ہنگاموں کی لپیٹ میں تھی۔ گاندھی جی پٹنہ آئے۔ ان دنوں پٹنہ میں جماعت اسلامی کا اجتماع ہوا۔ منتظمین نے گاندھی جی کو بھی شرکت کی دعوت دی۔ گاندھی جی نے خوشی خوشی اس دعوت کو قبول کر

لیا۔ اجتماع میں شریک ہوئے۔ پوری کارروائی کو دیکھا۔ جماعت کی دعوت اور پیغام کو غور سے سنا۔ پھر واپس چلے گئے۔ جماعت اسلامی کے اس اجتماع میں گاندھی جی کی شرکت تہذیبی جارحیت پسندوں کو ناپسند گزری۔ ان لوگوں نے اس شرکت پر اعتراض کیا۔ ان لوگوں کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے گاندھی جی نے کہا:

"کل میں جماعت اسلامی کے جلسہ میں شریک ہوا۔ یہ فقیروں کا اجتماع تھا، ان فقیروں کا نہیں جو بھیک مانگتے ہیں۔ یہ ان فقیروں کا اجتماع تھا جو نیکی پھیلاتے ہیں، انسانیت کی خدمت کرتے ہیں، من و تو کے امتیاز کو مٹاتے ہیں، لوگوں سے کہتے ہیں کہ جب تم خدا کے بندے ہو تو خدا کے فرماں بردار بھی بنو۔ ان لوگوں کے اجتماع میں شریک ہونے پر مجھے کوئی افسوس نہیں ہے، خوشی ہے۔ یہ لوگ اگر مجھے پھر بلائیں گے تو میں پیدل چل کر ان کے اجتماع میں جاؤں گا۔"

(*The Collected Works of Mahatma Gandhi*, Vol. 94: 17 February, 1947 - 29 April 1947, pp. 400-401. Available at www.gandhiashramsevagram.org)

مشکل ترین حالات میں تشکیل جدید

ملک کی تقسیم کے بعد جماعتِ اسلامی ہند کی تشکیل جدید ہوئی۔ 16 تا 18 اپریل 1948 کو الٰہ آباد میں ہندوستان میں رہ جانے والے ارکانِ جماعت کا اجتماع ہوا، جس میں مولانا ابو اللیث اصلاحی ندویؒ کو جماعت کا امیر منتخب کیا گیا۔ امیر جماعت نے محمد یوسف صاحبؒ کو قیم جماعت مقرر کیا اور مجلس شوریٰ تشکیل دی۔

جماعت اسلامی ہند کی تشکیل جدید ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا ایک اہم واقعہ تھا۔ مولانا ابو اللیث صاحبؒ اس کی اہمیت کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

"تقسیم ہند سے پہلے جماعتِ اسلامی کا مرکز ہندوستان پاکستان، دونوں کے لیے ایک ہی تھا اور اس کے امیر مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ تھے جن کا قیام لاہور میں تھا۔ تقسیم کے نتیجے

میں مرکز پاکستان کے حصہ میں چلا گیا اور ہندوستان میں رہنے والے ارکانِ جماعت مرکز سے بہت دور، یک گونہ اس سے بے تعلق ہو گئے۔

عام طور سے دیکھا جاتا ہے کہ کسی جماعت میں شریک ہونے والے لوگ، گو بظاہر اس جماعت کے اصول و مسلک سے اپنے تعلق اور وابستگی کا اظہار کرتے ہوں، لیکن درحقیقت ان کا تعلق خاص خاص شخصیتوں سے ہوتا ہے اور ان شخصیتوں سے ان کی وابستگی ہی فی الواقع ان کی تمام سرگرمیوں کا محور ہوتی ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ ان شخصیتوں کے پیچھے بسا اوقات اپنی اصل راہ کو بھی چھوڑ دیتے ہیں۔

اس تمام انسانی کمزوری کا لحاظ کرتے ہوئے یہ کوئی تعجب انگیز بات نہ ہوتی کہ مرکز سے علیحدگی کے بعد ہندوستان کے ارکانِ جماعت ایک عام بددلی اور مایوسی کا شکار ہو جاتے اور یا تو دل شکستہ ہو کر بیٹھ رہتے، یا جن راہوں کو غلط سمجھ کر چھوڑا تھا، پھر دوبارہ ان ہی کو اختیار کر لیتے۔ اس طرح کی قلابازیوں کا ظہور اس وقت بہت سی مسلم و غیر مسلم جماعتوں کے ارکان کی طرف سے علانیہ اور بکثرت ہو رہا تھا۔ سچ یہ ہے کہ نئے تغیرات و انقلابات کے غیر معمولی دباؤ کا مقابلہ کرنا ایسے لوگوں کے بس کا کام بھی نہیں تھا جو کسی مسلک کو محض حق ہونے کی بنا پر اختیار نہیں کرتے بلکہ وقتی جذبات کے تحت عارضی اغراض کے لیے لوگوں کی بھیڑ کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

لیکن خدا کا شکر ہے کہ جماعتِ اسلامی ہند کے ارکان عام طور سے ایسے نازک موقع پر بھی پوری طرح ثابت قدم رہے۔ نہ حالات کے دباؤ کا کچھ اثر قبول کیا اور نہ مرکز کی قیادت سے محروم ہو جانے پر دل شکستہ ہوئے۔" (تشکیل جماعت اسلامی ہند، کیوں اور کیسے، مولانا ابو اللیث اصلاحی ندوی)

تشکیل جدید کن حالات میں ہوئی

سابق قیم جماعت افضل حسین صاحبؒ لکھتے ہیں:

"ملک کی تقسیم جن حالات میں ہوئی وہ آج تاریخ کے اوراق بن چکے ہیں۔ لیکن ان حالات کی تاریکی اور ہلاکت خیزی کا جن لوگوں نے مشاہدہ کیا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ مسلمانوں

کے تعلق سے یہ ایک بہت بڑی آزمائش تھے۔ جہاں تک جماعت اسلامی کا تعلق ہے اس کے لیے تو یہ ایک زبردست حادثہ تھا جس سے جاں بر ہوجانا اللہ تعالیٰ کے بے پایاں فضل اور اس کی توفیق ہی کا نتیجہ ہے۔ جماعت اسلامی کی تنظیم کو ابھی 6،7 سال بھی نہ گزرے تھے کہ تقسیم ملک کے نتیجے میں جماعت بھی دو حصوں میں بٹ گئی اور ہندوستانی رفقائے جماعت، جماعت کے امیر اور بہت سے اہم کارکنوں کی خدمت سے محروم ہوگئے۔ جب 1948 میں تحریک اسلامی کے رفقائے کار نے اس مہتم بالشان کام کو جاری رکھنے کے لیے جماعت کی تشکیلِ نو کا فیصلہ کیا تو وہ نہ صرف یہ کہ انتہائی سخت ماحول سے دوچار تھے بلکہ ان کے پاس افرادی طاقت کا بھی ایک نہایت قلیل سرمایہ تھا۔ یہ وہ نفوسِ بے سروساماں تھے، جنھوں نے جماعت کی تشکیلِ نو کا فیصلہ اپنی عقل و دانش اور عددی قوت کی بنیاد پر نہیں بلکہ محض اللہ کے بھروسے اور اپنی دعوت کی حقانیت کے اعتماد کی بنا پر کیا۔

جماعت اسلامی ہند کی تاسیس کو ابھی چند ہی برس گزرے تھے۔ اس لیے اس کے پاس افرادی طاقت کا ایک نہایت قلیل سرمایہ تھا اور تجربہ کی مدت بھی بہت مختصر تھی کہ دفعتاً حالات نے پلٹا کھایا اور ایک نہایت سنگین صورت حال سامنے آگئی۔ اب جماعت کی نئی قیادت کو بطور خود ان جدید حالات میں کام کرنا پڑا۔ جماعت کی یہ خوش قسمتی تھی کہ اس نے آنے والے حالات کا سیر حاصل تجزیہ تقسیم ہند سے قبل کرلیا تھا اور مدراس کے منطقہ وار اجتماع میں رفقائے جماعت کے سامنے ایک چار نکاتی لائحہ عمل رکھ دیا تھا۔ یہ لائحہ عمل اور تجزیہ دونوں جماعت اسلامی ہند کی تشکیلِ نو کے بعد ایک عرصہ تک رہ نمائی کا کام دیتے رہے۔" (جماعت اسلامی ہند کے ستائیس سال از افضل حسین۔ ص 10)

جماعت کی تشکیل جدید کا کام کس قدر جرأت طلب اور جوکھم سے بھرپور تھا، اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ اس وقت بعض اہم ارکان کا اصرار تھا کہ ملک کے موجودہ حالات میں افراد انفرادی طور پر اور مقامی جماعتیں اپنے اپنے مقام پر کام کریں، جماعت کا کوئی علیحدہ ملک گیر نظم نہیں بنایا جائے۔ لیکن جماعت میں عام رائے نے اس مشورے کو قبول نہیں کیا اور تشکیل جدید

کا تاریخ ساز فیصلہ عمل میں آ گیا۔

پہلا انتخاب امیر: شان دار روایات کا آغاز

اس وقت ملک میں تقریباً تین سو ارکان تھے۔ امیر جماعت کے انتخاب کے لیے اکتالیس نمائندہ افراد نے حصہ لیا۔ پانچ نام زیر بحث آئے، اور بالآخر مولانا ابو اللیث صاحبؒ کے نام پر اتفاق ہو گیا۔ اس کے بعد مولانا ابو اللیث صاحبؒ جلسہ گاہ میں آئے اور انھوں نے اپنے عذرات اور معذوریاں تفصیل کے ساتھ بیان کیں۔ لیکن حاضرین سب کچھ سننے کے بعد بھی اپنی رائے تبدیل کرنے پر راضی نہیں ہوئے۔ بالآخر مولانا ابو اللیث صاحبؒ نے تجویز پیش کی کہ اگر ایسا ہی ہے تو میرے نام کے ساتھ چند اور نام تجویز کیے جائیں اور ان کو مولانا مودودی صاحبؒ کی خدمت میں پیش کر کے درخواست کی جائے کہ وہ اپنے ذاتی تجربات اور واقفیت کی روشنی میں ان میں سے کسی ایک نام کا انتخاب کر لیں۔ اور ہم سب اس کو منظور کر لیں۔ لیکن اس تجویز کی بھی مخالفت کی گئی اور حسب ذیل قرار داد منظور کی گئی:

> ”جماعت نے بالاتفاق ابو اللیث صاحب کو انڈین یونین کا امیر جماعت مقرر کیا۔“

مولانا ابو اللیث صاحبؒ کو اپنے امیر بننے پر اب بھی اطمینان نہیں تھا، وہ لکھتے ہیں:

> ”اللہ کا شکر ہے، میں اپنی ذات کے متعلق کبھی بھی غلط فہمی میں نہیں مبتلا ہوا اور نہ ہی اپنی صلاحیتوں کا اندازہ کرنے میں کبھی دھوکا کھایا ہے، اس لیے اجتماع الہ آباد میں امارت کے لیے اس ناچیز کے نام پر اتفاق کیا گیا تو میں غرقِ حیرت ہو کر رہ گیا اور اپنے حق میں اسے ایک سانحہ عظیم سمجھا، لیکن اس وقت ابھی امید کی یہ ایک کرن باقی تھی کہ انتخابِ امارت کے سلسلے میں جو رپورٹ مرکز بھیجی گئی ہے اور جس میں صراحتاً مذکور ہے کہ میں نے اس کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے اپنے عذرات اور معذوریاں تفصیل سے پیش کی تھیں، وہ کم از کم مولانا مودودیؒ کے نزدیک ضرور درخورِ اعتنا قرار پائیں گی اور وہ کچھ میری داد رسی کر سکیں گے۔“

ادھر مرکز سے مولانا مودودیؒ کا خط آیا جس میں تحریر تھا:

"سخت انتظار کے بعد الہ آباد کے اجتماع کی کارروائی آج مجھے ملی۔ دو تین روز قبل حکیم محمد خالد صاحب کے ایک کارڈ سے مجھے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ آپ کو بالاتفاق وہاں کے رفقا نے امیر منتخب کیا ہے۔ اب تفصیلات کا علم ہوا اور خدا کا شکر ادا کیا کہ جماعت خود بھی اسی نتیجے پر پہنچی جس پر میں پہنچا تھا، نیز یہ کہ اس بات سے اور بھی مسرت ہوئی کہ جماعت میں اب وہ کیفیات پیدا ہو چکی ہیں جو اس کام کے لیے مطلوب ہیں۔ آپ نے جو عذرات بیان کیے ہیں وہ اپنی جگہ بہت وزنی سہی، لیکن اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ انڈین یونین میں اس کام کو سنبھالنے کے لیے جماعت میں کوئی دوسرا جامع آدمی موجود نہیں، اسی بنا پر میں اور مولانا امین احسن صاحب اور طفیل محمد صاحب باہمی مشورہ سے اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ یہ بار اب آپ کو سنبھالنا چاہیے۔ اللہ کے بھروسے پر اب اس بوجھ کو اٹھائیے۔ اور یہ سمجھ کر کام کیجیے کہ اب انڈین یونین میں اسلام کو زندہ رکھنے والی صرف ایک جماعت اسلامی ہے جس کی کوششوں پر اس ملک کے مستقبل کا انحصار ہے۔"

1951 کی مجلس شوریٰ کے ارکان

(۱) جناب محمد یوسف صدیقیؒ (ٹونک)
(۲) مولانا صبغۃ اللہ بختیاریؒ (مدراس)
(۳) جناب وی پی محمد علیؒ (مالابار)
(۴) مولانا صدر الدین اصلاحیؒ (سرائے میر)
(۵) مولانا سید حامد علیؒ (شاہ جہاں پور)
(۶) مولانا حبیب اللہؒ (ہزاری باغ)
(۷) مولانا محمد عبد الحیؒ (رام پور)
(۸) جناب حسنین سیدؒ (دربھنگہ)
(۹) جناب شاہ ضیاء الحقؒ (گنگوہ)
(۱۰) جناب محمد یونسؒ (حیدرآباد)
(۱۱) جناب سید عبد القادرؒ (حیدرآباد)
(۱۲) مولانا اختر احسن اصلاحیؒ (سرائے میر)
(۱۳) جناب چودھری شفیع احمدؒ (بارہ بنکی)
(۱۴) جناب محمد یوسفؒ، قیم جماعت

مولانا کے بقول: "اس کے بعد خود ان سے بھی کسی طرح کی دادرسی کی کوئی توقع باقی نہیں رہی اور نہ میرے لیے بجز سر تسلیم خم کر دینے کے کوئی چارہ کار باقی رہا۔" (تشکیل جماعت اسلامی ہند، کیوں اور کیسے)

غرض ایک طرف ارکانِ مجلس کا اتفاق کہ مولانا ابواللیث صاحبؒ امیر جماعت بنیں، دوسری

طرف مولانا ابو اللیث صاحبؒ کا شدّت کے ساتھ بار بار عذر پیش کرنا، تیسری طرف مولانا مودودیؒ کا اپنی پسند ہوتے ہوئے بھی اس کا اظہار اس لیے نہیں کرنا کہ شورائیت کا عمل متاثر نہ ہو جائے اور بالآخر سب کے اصرار پر مولانا ابو اللیث صاحبؒ کا امارت قبول کر کے اس کا حق ادا کر دینا۔ غرض یہ کہ تشکیلِ جدید کے وقت سے ہی امیر منتخب کرنے اور امارت قبول کرنے کے معاملے میں حسین و جمیل روایتوں کی داغ بیل پڑی اور ان کا دل آویز مظاہرہ آگے چل کر ہر انتخاب کے موقع پر ہوتا رہا۔

عزم و حوصلہ سے بھرپور آغاز

مولانا مودودیؒ نے مولانا ابو اللیثؒ کے نام خط میں ولولہ انگیز پیغام دیا:

> ”خدا پر توکّل کر کے پوری حکمت اور استقلال اور جرأت سے کام کیجیے اور امید رکھیے کہ ان شاء اللہ تھوڑی مدّت کے بعد حالات بدلنے شروع ہو جائیں گے۔“

مولانا ابو اللیثؒ نے امیر منتخب ہونے کے بعد موجود ارکان کے سامنے عزم و ہمت اور حکمت و بصیرت سے بھرپور تقریر کی اور کہا:

> ”ہماری راہ میں بہت سی مشکلات اور موانع حائل ہیں۔ ہم خطرات کو دعوت تو نہیں دیتے۔ ہم کو بہر حال، اس سے پناہ ہی مانگنی چاہیے اور خاص کر ایسے خطرات سے جن کا مقابلہ ہم نہ کر سکیں، لیکن جب آپ نے دین کی راہ میں چلنے کا فیصلہ کیا ہے تو خطرات کے مقابلہ کے لیے بھی اپنے کو تیار رکھنا چاہیے۔ خطرات میں ثابت قدم رہ کر ہی ہم کام یابی اور اللہ کی خوش نودی حاصل کر سکتے ہیں، اللہ کی سنت جاریہ یہی ہے۔ آزمائشوں میں ثابت قدم رہ کر ہی فوز و کامرانی حاصل ہو سکتی ہے۔ لیکن بے اصل و بے بنیاد خیالات و توہّمات سے اپنے عزم و ارادہ میں کم زوری نہ آنے دیں۔ اس وقت آپ کو اپنے کام کے سلسلے میں بہت کچھ سہولتیں بھی میسّر آ گئی ہیں۔ بہت سے لوگ جو آپ کے کام میں رکاوٹ پیدا کر رہے تھے، ان کا زور ختم ہو گیا ہے اور اب وہی لوگ ہماری باتیں سننے کے لیے آمادہ ہیں، ایسے موقع سے فائدہ نہ اٹھانا غفلت ہو گی۔ ایسے مواقع قدرت کی طرف سے کم ہی میسّر آتے

ہیں۔ اگر ہم مسلمانوں کی صحیح رہ نمائی کا فرض انجام نہ دے سکے تو اس کے لیے ہمیں عند اللہ جواب دہ ہونا پڑے گا ضرورت ہے کہ اپنی صلاحیتوں سے کام لیں اور لوگوں کے سامنے اپنا نصب العین واضح کریں۔" (تشکیل جماعت اسلامی ہند، کیوں اور کیسے)

اللہ کی مدد شامل حال رہی

جماعت اسلامی ہند کی تشکیل کے وقت جماعت کے بیت المال کی صورت حال کیا تھی اور پھر اللہ کی مدد کس طرح شامل حال ہوئی، اس کا اندازہ مولانا ابواللیثؒ کے درج ذیل بیان سے کیا جاسکتا ہے:

"اس روداد یا کچے چٹھے سے یہ بات پوری طرح عیاں ہورہی ہے کہ تقسیم کے بعد ہندوستان کی جماعت اسلامی کو اپنے مرکز قدیم سے جو کچھ ملا تھا وہ کچھ کم نہ تھا، اچھا خاصا سرمایہ تھا، لیکن اس میں کچھ بڑی بڑی رقمیں تو وہ تھیں جو مرکز یا مکتبہ قدیم کے قرضوں کی شکل میں یہاں کے رہنے والوں یا اداروں کے ذمہ واجب تھیں اور وہ سب ہمارے حساب میں محسوب کر کے ہماری طرف منتقل کر دی گئی تھیں۔ اور ہمیں اپنا خاصا بڑا حصہ کتابوں کی شکل میں دستیاب ہوا۔ اور جہاں تک نقد رقم کا تعلق ہے، اس نام سے ہمارا کھاتا بالکل نا آشنا رہا۔ نقد چند ٹکے بھی نہیں ملے۔ اس لیے اس انکشاف پر آپ کو مطلق حیرت نہیں ہونی چاہیے کہ بحیثیت امیر جماعت جب مدرسۃ الاصلاح سرائے میر سے میں نے جماعت کے کام کا آغاز کیا تو شروع میں کام چلانے کے لیے مجھے ایک قریبی بستی سیدھا سلطان پور کے مقبول احمد نام کے ایک نہایت مخلص رکن جماعت سے پچاس روپے بطور قرض لینے پڑے لیکن اللہ تعالی نے اپنے اس مقبول بندے سے حاصل شدہ رقم میں اتنی برکت عطا فرمائی کہ ہم اس کا خواب وخیال میں بھی تصور نہیں کر سکتے تھے۔ اللہ تعالی کے اس بے حد وحساب اور بے پایاں فضل واحسان پر ہم اس کا جتنا بھی شکر ادا کریں، یقیناً وہ کم ہی ہوگا۔" (تشکیل جماعت اسلامی ہند، کیوں اور کیسے۔ ص: 92 اور 93)

مرکزِ جماعت کے لیے جگہ کی پیش کش

بے سروسامانی کے عالم میں اللہ کی مدد کا ظہور اس طرح ہوا کہ ضلع لکھنؤ کی تحصیل ملیح آباد میں ایک موضع ہے جس کا نام محمود نگر ہے۔ وہاں کے رکنِ جماعت منشی ہدایت علی صاحب کے پاس کافی زمین تھی۔ ان کی طرف سے ایک زیرِ تعمیر مکان اور دو مزید قطعہ اراضی نئے مرکز جماعت کے لیے وقف کرنے کی پیش کش ہوئی۔ مکان کی قیمت اچھی خاصی اور تینوں قطعات کا مجموعی رقبہ کافی بڑا تھا۔ پیش کش کے الفاظ تھے:

> "میری نیت ان تینوں قطعات کے متعلق یہ ہے کہ یہ جماعت اسلامی کے مرکز کے کام میں آئے، میں بہرحال، ان تینوں قطعات کو جماعت کو پیش کرتا ہوں، ان سے جماعت جو چاہے کام لے۔" (تشکیل جماعت اسلامی ہند، کیوں اور کیسے۔ ص: 92 اور 93)

جماعت نے اس پیش کش کو قبول کرلیا۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے بہت بڑے رقبے پر پھیلا ہوا باغ بھی جماعت کے نام وقف کر دیا۔

اجلاس مجلس شوریٰ منعقدہ 28/اپریل 1948 کی روداد میں ہے:

> "بالاتفاق طے پایا کہ ہدایت علی صاحب کی پیش کش ایک قطعہ باغ انبہ موازی 27 بیگھ پختہ بایں شرط قبول کی جاتی ہے کہ ہدایت علی صاحب پانچ سال تک اس کی آمدنی سے مرکز کو درس گاہ کے سلسلے میں دو ہزار روپے سالانہ دیتے رہیں گے اور بقیہ سے خود مستفید ہوتے رہیں گے اور اس مدت مذکورہ کے گزرنے کے بعد جملہ منافع درس گاہ اور دیگر ضروریات جماعت کے لیے مرکز کو سپرد کر دیں گے۔"

چند ماہ مرکزِ جماعت محمود نگر میں رہا، وہاں درس گاہ اور مکتبہ قائم کیا گیا۔ اس دوران یہ محسوس کیا گیا کہ مرکز ایسی جگہ ہونا چاہیے جہاں جماعت کے کاموں سے متعلق سہولیات موجود ہوں، چناں چہ مرکز کے لیے رام پور کا انتخاب ہوا۔

رام پور میں بھی اللہ کی مدد شامل حال رہی، وہاں جماعت کے ایک ہم درد سید امجد علیؒ نے

جماعت کو ایک بڑی عمارت اور کچھ مکانات پیش کیے۔ اس طرح مرکز، مکتبہ اور درس گاہ رام پور منتقل ہو گئے۔

مولانا ابو اللیث صاحبؒ اللہ تعالی کی اس تائید غیبی کا شکر و اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "اگر تقسیم ہند کے بعد خدائے کارساز نے ہمارے نظم کو بکھرنے سے بچانے کے لیے ہدایت علی صاحب کی پیش کش کا انتظام فرمایا تھا تو اب جب یہ عبوری دور گزر گیا ہے اور جماعت کا نظم قائم ہو گیا ہے تو وہی کارسازِ مطلق اب ہمارے کام کو آگے بڑھانے کے انتظامات رام پور میں فرما رہا ہے۔" (تشکیل جماعت اسلامی ہند، کیوں اور کیسے)

اخلاص کی شان دار مثال

محمود نگر سے رام پور مرکز جماعت کی منتقلی پر منشی ہدایت علی صاحب کا کیا ردِّ عمل رہا، مولانا ابو اللیث صاحبؒ لکھتے ہیں:

> "آخر میں ایک اور بات اپنے رفقا کے علم میں لانی چاہتا ہوں، ہر چند انتقالِ مرکز کا یہ فیصلہ ہدایت علی صاحب کے لیے طبعاً خاصا رنج دہ ہونا چاہیے۔ لیکن انھوں نے محض جماعتی مصالح کے تحت اس فیصلہ کا خیر مقدم نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ کیا ہے۔ مجھے ان کی یہ بات ان کے وقف سے زیادہ قیمتی معلوم ہوتی ہے۔" (تشکیل جماعت اسلامی ہند، کیوں اور کیسے۔ ص: 109)

اسی طرح جب مرکز رام پور سے دہلی منتقل ہو رہا تھا تو سید امجد علیؒ نے برا ماننے کے بجائے دلی جا کر کے ہر طرح سے مدد کی۔

شورائی نظام: جماعت کی روشن روایت

جماعت اسلامی ہند کی تاریخ کا ایک روشن پہلو یہ ہے کہ اس کی تشکیل شورائی عمل کے ذریعے ہوئی، شورائی عمل کے ذریعے امیر کا انتخاب ہوا اور شورائی عمل کو جاری رکھنے کے لیے مجلس شوری کی تشکیل ہوئی۔

جماعت کی امارت کی ذمہ داری سنبھال لینے کے بعد مولانا ابو اللیث صاحبؒ نے جناب محمد یوسف صاحبؒ (قیم جماعت) کے علاوہ حسب ذیل حضرات کو عارضی طور سے صرف ایک سال کے لیے شوریٰ کا رکن منتخب کیا:

> مولانا اختر احسن اصلاحی صاحبؒ (سرائمیر)، چودھری شفیع احمد صاحبؒ (بارہ بنکی)، حکیم محمد خالد صاحبؒ (الہ آباد)، جناب اسماعیل اخلاص صاحبؒ (بمبئی)، جناب محمد یوسف صدیقی صاحبؒ (ٹونک)، مولانا صدر الدین اصلاحی صاحبؒ (اعظم گڑھ)، مولانا محمد اسماعیل صاحبؒ (مدراس)، جناب محمد یونس صاحبؒ (حیدر آباد)، جناب حسنین سید صاحبؒ (بہار)، حافظ عبد التواب صاحبؒ (کلکتہ)

اس کے بعد جلد ہی جماعت کا تنظیمی عمل مکمل ہوا اور مجلس شوری کا انتخاب ارکان جماعت کے نمائندوں کے ذریعے سے ہونے لگا۔ جماعت کی تاریخ شاہد ہے کہ اس پورے عرصے میں مکمل شورائیت کے ساتھ اس کا سفر جاری رہا۔ اللہ کے فضل سے کبھی کسی آئینی بحران کا شائبہ تک محسوس نہیں کیا گیا۔

کفاف کے سلسلے میں زرّیں اصول

تنظیموں اور اداروں کے لیے مالیات کا معاملہ سب سے حسّاس ہوتا ہے۔ جماعت اسلامی ہند کی قیادت اس حوالے سے ہمیشہ محتاط رہی اور اس کا دامن ہمیشہ بے داغ رہا۔ ذمے داروں کے کفاف کے سلسلے میں امیر جماعت نے شروع ہی میں ایک سنہری اصول دیا، انھوں نے شوری کے پہلے اجلاس میں فرمایا:

> ”عہدہ و منصب کا لحاظ ہمارے سامنے نہیں ہونا چاہیے، بلکہ صرف ضروریات کو بطور معیار سامنے رکھنا چاہیے۔ اسی طرح اس نہج پر غور کرنا بھی صحیح نہیں ہے کہ کسی کے پچھلے مصارف کم تھے یا زیادہ بلکہ تعیین کفاف میں صرف یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ ایک شخص کے

لیے ایک معقول اطمینان بخش زندگی بسر کرنے کے لیے کتنی رقم کافی ہوگی۔ قطع نظر اس سے کہ وہ اس سے پہلے کس نہج پر زندگی بسر کر رہا تھا اور وہی رقم منظور کی جانی چاہیے۔"

قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس اصول کی روشنی میں امیر جماعت کا ماہانہ مشاہرہ سو روپے جب کہ قیم جماعت کا ڈیڑھ سو روپے طے پایا۔

چار نکاتی لائحہ عمل

اپریل 1947 میں مدراس کے اجتماع کی موقع پر امیر جماعت (مولانا مودودیؒ) کی تقریر میں ان رجحانات کی صحیح عکاسی کر دی گئی تھی جن سے آئندہ اس ملک میں مسلمانوں اور تحریک اسلامی کو سابقہ پیش آنے والا تھا اور وہ نقشہ کار بھی تجویز کر دیا گیا تھا جس کے مطابق تحریک اسلامی کے کارکنوں کو مستقبل کے ہندوستان میں اپنی جدّ و جہد کو جاری رکھنا تھا۔ یہ لائحہ عمل درج ذیل چار نکات پر مشتمل تھا:

(۱) فرقہ وارانہ کشمکش کا خاتمہ اور اس مقصد سے مسلمانوں کو فرقہ وارانہ حقوق کی لڑائی سے اجتناب کا مشورہ۔

(۲) مسلم معاشرے میں دین کا علم پھیلایا اور عام کیا جائے اور ان کے ایک بڑے حصے کو علمی و عملی اور تمدنی و معاشرتی حیثیت سے اسلام کا نمائندہ بنایا جائے۔

(۳) ملک کے ذہین طبقے کو اسلامی تحریک کی طرف دعوت دی جائے اور ان پر خصوصی توجہ صرف کی جائے۔

(۴) تحریک اسلامی کے کارکن ہندوستان کی علاقائی زبانیں سیکھیں، ان میں تحریر و تقریر کی صلاحیت بہم پہنچائیں اور اس امر کی انتہائی کوشش کی جائے کہ ان زبانوں میں جلد سے جلد اسلام کا ضروری لٹریچر منتقل ہو جائے۔

اس دور میں جماعت اسلامی ہند نے انھی چار نکات کو اپنی جدو جہد کا مرکز بنایا اور اسی کے مطابق اپنی تحریک کا پروگرام بھی وضع کیا۔ (جماعت اسلامی ہند کے ستائیس سال از افضل حسین)

بعد میں نقشہ کار کو پانچ اجزا میں حسب ذیل طریقے سے پیش کیا گیا:

(۱) باشندگان ملک کے مابین حریفانہ کشمکش، فرقہ وارانہ کشیدگی اور بے اعتمادی کی صورت حال کو بدلا جائے اور ملک میں خیر سگالی، محبت اور باہمی اعتماد کی فضا بحال کی جائے۔

(۲) مسلمانان ہند کو اسلام کی جیتی جاگتی تصویر اور عملی نمونہ بنانے کی کوشش کی جائے تا کہ وہ خیر امت اور داعی حق کی حیثیت سے اس ملک کی تعمیر کے سلسلے میں اپنا رول ادا کر سکیں۔

(۳) اہل ملک کے سامنے اسلام کو اس کی صحیح اور اصولی شکل میں پیش کیا جائے اور اس غرض کے لیے ہندی، انگریزی اور تمام علاقائی زبانوں میں قرآن وحدیث کے تراجم اور بنیادی دینی لٹریچر فراہم کیا جائے۔

(۴) ملت کے اہم اور بنیادی مسائل مثلاً دینی تعلیم، مسلم پرسنل لا، دینی شعور کی بیداری اور ملی نظم واتحاد کے سلسلے میں منصوبہ بند کوششیں کی جائیں۔

(۵) ملک کو پیش آنے والے سنگین مسائل مثلاً لادینیت، الحاد، بد اخلاقی، مفاد پرستی، آمرانہ رجحانات، مرض وجہالت اور غربت وافلاس وغیرہ کے ازالے کی جدو جہد کی جائے۔ بلالحاظ مذہب وملت ملک کے پسماندہ، کم زور، مظلوم اور بے سہارا لوگوں کی مدد کی جائے اور اس جدو جہد اور امداد میں دوسری جماعتوں سے تعاون کیا جائے اور ان سے تعاون حاصل کیا جائے۔ (سالانہ رپورٹ: اپریل 72 تا مارچ 73)

ملت کے ساتھ بے لوث خیر خواہی

جماعت اسلامی ہند نے کبھی اس کی پروانہ کی کہ ملت کے بہت سے گروہوں کی طرف

سے جماعت کی شدید مخالفت ہو رہی تھی، پوری بے لوثی اور بے نفسی کے ساتھ وہ ملت کے ساتھ خیر خواہی کا حق ادا کرتی رہی۔

مسلمانانِ ہند کے وہ کیا سنگین مسائل تھے جن کے سلسلے میں جماعت نے فعال کردار ادا کیا؟

افضل حسین صاحبؒ درج ذیل امور کا خاص طور سے تذکرہ کرتے ہیں:

ریلیف ورک

اپریل 1950 میں جماعت نے طے کیا کہ حتی الوسع فساد سے متاثر ہونے والوں میں ریلیف کا کام انجام دے۔ اس فیصلے کے بعد جماعت کا معمول بن گیا کہ وہ ہر بڑے اور چھوٹے فساد کے موقع پر ریلیف کا کام انجام دے۔ بدقسمتی سے فسادات اتنی کثرت سے ہوتے رہے کہ جماعت کی توجہ اور افرادی طاقت کا ایک بڑا حصہ اس کام میں صرف ہوتا رہا۔ ابتدا میں اس میدان میں کام کرنے والوں کا تقریباً فقدان تھا، لیکن رفتہ رفتہ حالات بدلتے گئے اور ملت کی دوسری جماعتوں اور انجمنوں نے بھی اس میدان میں کام کرنا شروع کر دیا۔

مسلمانوں کی دینی تعلیم

جماعت نے اپریل 1950 میں طے کیا کہ تعلیم کے مسئلہ پر ملتِ اسلامیہ کے مختلف زعما اور قائدین سے گفتگو کی جائے اور اشتراک کی راہیں تلاش کی جائیں۔ خاطر خواہ تعاون نہ ملنے کی وجہ سے جماعت کو اپنے طور پر ہی کام کو جاری رکھنا پڑا۔ ایک مرکزی درس گاہ کا قیام پہلے ہی وجود میں آ چکا تھا۔ وقتاً فوقتاً مقامی درس گاہوں کے قیام کی طرف توجہ دی جانے لگی، ساتھ ہی ساتھ اس امر کی کوشش بھی کی گئی کہ ایک معیاری نصاب کے مطابق درسیات تیار کی جائیں، جو بحمد اللہ تیار ہوئیں اور اس وقت بھی ملک کی مختلف درس گاہوں میں معروف اور مقبول ہیں۔

ارتداد اور مسلم پرسنل لا میں مداخلت کا مسئلہ

جماعت کی مجلسِ شوریٰ نے جون اور نومبر 1956 میں ارتداد کی کوششوں اور مسلم پرسنل لا میں مداخلت کے عزائم کا نوٹس لیا اور فیصلہ کیا کہ ان دونوں خطروں کی طرف مسلمانوں کی توجہ مبذول کرائی جائے اور موثر قدم اٹھائے جائیں تا کہ ان خطرات کا سدّباب ہو سکے۔ نومبر 1956 کی شوریٰ میں ملّی مسائل کی نوعیت اور تحریک اقامتِ دین سے ان کے تعلق کے بارے میں غور وخوض کیا گیا۔ یہ مسائل ایسے تھے جن کا براہ راست یا بالواسطہ تحریک کے مزاج، مفادات اور مصالح سے تعلق تھا، مثلاً دینی تعلیم، ارتداد، مسلم پرسنل لا میں مداخلت وغیرہ۔

ان مسائل کے سلسلے میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ جماعت اسلامی ہند اپنے قلیل ذرائع و وسائل کے باوجود عملی جدوجہد کرے گی، جہاں تک ممکن ہو گا امت کے دوسرے گروہوں اور جماعتوں کو ان کی سنگینی کی طرف متوجہ کرے گی اور حسب موقع اور ضرورت اشتراک و تعاون بھی کرے گی۔ البتہ اس کی کوشش ہو گی کہ ان تمام مسائل میں اس کا انداز ایسا ہو، جس سے اس کی اصولی حیثیت اور داعیانہ موقف مجروح نہ ہونے پائے۔

ملّی اجتماعیت

مسلمانوں میں اجتماعی نظم و اتحاد پیدا کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی اور یہ احساس شدت سے ابھرا کہ ان کو اپنے مسائل کے حل کے لیے اور اپنے ملی وجود کے تحفظ کے لیے اجتماعی جدوجہد پر ابھارا جائے۔ چناں چہ اپریل 1950 میں جماعت کی مجلس شوریٰ نے رفقائے جماعت کو ہدایت کی کہ وہ فسادات کے سلسلے میں ملت اسلامیہ کے مختلف رہ نماؤں سے ربط پیدا کریں اور ان کی دوسری جماعتوں سے اس سلسلے میں تعاون کریں۔ (جماعت اسلامی ہند کے ستائیس سال از افضل حسین)

جماعت اسلامی ہند نے مسلمانوں کے مشترکہ پلیٹ فارم تشکیل دینے میں آگے بڑھ کر تعاون

کیا۔ مسلم پرسنل لا بورڈ، مسلم مجلس مشاورت اور دینی تعلیمی کونسل اس کی نمایاں مثالیں ہیں۔ جماعت کی کوشش رہی کہ ملت کے مشترک ادارے داخلی سیاست کا شکار نہ ہو جائیں، اس لیے جماعت نے کبھی خود کو ان کی قیادت کے لیے آگے نہیں بڑھایا، ہمیشہ ان کے جمہوری سسٹم کو مضبوط رکھنے کی کوشش کی اور ملت کے دیگر اہل ترین افراد کو آگے بڑھایا۔

آزمائشوں کا سلسلہ اور اللہ کی مدد

جماعت کی کوششوں سے ملک کے بہت سے افراد کو اپنے اخلاق کی اصلاح اور اپنی سیرت کی تعمیر میں بہت مدد ملی اور اس کے نتیجے میں جماعت کے بارے میں خواص و عوام کے اندر ایک اچھی رائے قائم ہوتی چلی گئی۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ملک کی جمہوری اور فلاحی حکومت بھی ان کوششوں کو اچھی نظر سے دیکھتی لیکن اسے نہ جانے کیوں یہ بات گوارا نہ ہوسکی اور اس نے دعوتِ اسلامی کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالنا شروع کر دیں حتی کہ فروری 1954 میں یوپی گورنمنٹ نے جماعت اسلامی ہند کے امیر، قیم اور مرکز کے ایک اور رفیق کو نظر بندی ایکٹ کے تحت بے بنیاد الزامات لگا کر جیل بھیج دیا اور ان تینوں کے مکانات کی آٹھ نو گھنٹے تک تلاشی لی اور پوری دیدہ ریزی کے ساتھ ایک ایک فائل کی چھان بین کی گئی۔ صرف یہی نہیں بلکہ جس عمارت کو جماعت اسلامی نے اپنے مرکز کے لیے کرایہ پر لے رکھا تھا جو بعد میں کسٹودین کے قبضہ میں آ گیا تھا اور جماعت پوری پابندی کے ساتھ اسے اس کا کرایہ ماہ بہ ماہ ادا کرتی رہی تھی۔ تین دن کے شدید اور متحکمانہ نوٹس پر حکومت نے اس مکان کو خالی کرالیا۔ یہ بات صریح طور پر پبلک مفاد کے خلاف تھی کہ ایک ایسی عمارت سے اس کے پرانے کرایہ دار کو بغیر کسی معقول وجہ کے بے دخل کر دیا جائے جس کا کوئی کرایہ دار موجود نہ ہو۔ چناں چہ یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ عمارت ڈیڑھ دو سال تک بالکل خالی پڑی رہی لیکن حکومت نے اس بات کا بھی کوئی خیال نہیں کیا۔ جو مسلمان اور غیر مسلم جماعت سے واقف

تھے اور جنھیں اس کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا، انھیں اس بات پر سخت حیرت ہوئی اور وہ اسے حکومت کی صریح دھاندلی محسوس کرتے تھے۔ چناں چہ جب یوپی اسمبلی میں ان گرفتاریوں کے سلسلے میں سوالات ہوئے تو حکومت نے اپنے غلط اقدام پر شرمسار ہونے کے بجائے جواب دیتے ہوئے کہا کہ ان افراد کو بعض شبہات کی بنا پر ان کی انفرادی حیثیتوں میں گرفتار کیا گیا ہے۔ جماعت سے ان گرفتاریوں کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ حالاں کہ یہ بات کسی درجہ میں بھی مطابق عمل نہ تھی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ان افراد کو ان کی انفرادی حیثیتوں میں نہیں، جماعت کے ذمہ دار ہونے کی حیثیت میں ہی ماخوذ کیا گیا تھا۔ چناں چہ ابھی ان تین ذمہ داروں کی گرفتاری پر پورے چھ ماہ بھی نہ گزرے تھے کہ دوبارہ اگست 1954 میں اس نظر بندی ایکٹ کا استعمال کیا گیا اور اس کے تحت ان تین ذمہ داروں کو بھی گرفتار کرلیا گیا ہے جو پہلے گرفتار شدہ ذمہ داران کی جگہ کام کر رہے تھے۔ اور انھیں بھی جماعت کے ذمہ دار ہونے کی حیثیت ہی میں گرفتار کیا گیا تھا۔ ان چھ افراد میں سے کسی کو بھی سال بھر کی میعاد پوری ہونے سے پہلے رہا نہ کیا گیا۔ تین سال کے اندر ایک دو بار نہیں پانچ بار ملک کے مختلف گوشوں میں ایسے ہی غلط اقدامات کیے گئے لیکن افسوس کہ ایک بار بھی حکومت کو عام ملکی قوانین کا سامنا کرنے کی جرأت نہیں ہوئی حالاں کہ جماعت نے بھی اور ملکی پریس نے بھی بار بار حکومت کو اس طرف متوجہ کیا کہ اگر حکومت کے پاس جماعت کے خلاف کوئی چیز ہے تو اسے کھلی عدالت میں لاکر پیش کرے۔

دراصل جماعت کے نصب العین، طریق کار، پروگرام اور عملی ریکارڈ غرض کہ کسی چیز میں بھی کوئی ایسی بات نہ تھی جو کسی درجہ میں قابل اعتراض اور مذموم قرار پا سکتی ہو اور اسی لیے حکومت کھلی عدالت میں کوئی کارروائی کرنے سے مجبور رہی۔

ان اقدامات سے حکومت کو کیا توقعات تھیں، ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے اس آزمائش میں جماعت کو ثابت قدم رکھا اور ساتھ ہی اس کا نتیجہ یہ بھی ملا کہ ملک

کے ان گوشوں میں اپنے ذرائع و وسائل کی کمی کے باعث جماعت کو متعارف کرانا ہمارے لیے آسان نہ تھا، حکومت کے ان اقدامات سے خود بخود جماعت کا یک گونہ تعارف ہوا اور لوگ اسے سمجھنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ اخبارات نے حکومت کی اس غلط فہمی اور غیر جمہوری روش کی عام طور سے مذمت کی اور انصاف پسند مسلم و غیر مسلم زعمانے بھی ان گرفتاریوں کے خلاف اپنے تاثرات کا برملا اظہار کیا۔ (دوسرا کل ہند اجتماع نمبر، دعوت۔ ص: 189 اور 190)

ادھر آ ستم گر ہنر آزمائیں

1954 میں امیر جماعت مولانا ابواللیث صاحبؒ، قیم جماعت محمد یوسف صاحبؒ اور مدیر ماہنامہ زندگی مولانا سید حامد علی صاحبؒ کو گرفتار کرلیا گیا، تو جماعت کی شوری نے متفقہ طور پر مولانا صدر الدین اصلاحی صاحبؒ کو امیر جماعت منتخب کیا۔ اس کے چھ ماہ بعد مولانا صدر الدین اصلاحی صاحبؒ، جناب شفیع مونس صاحبؒ اور مولانا عبد الحی صاحبؒ کو بھی گرفتار کرلیا گیا تو جناب سید عبد القادر صاحب عارضی امیر جماعت منتخب ہوئے، اس کے بعد شوری کی رائے سے جناب سید حامد حسین صاحبؒ کو امیر جماعت منتخب کیا گیا۔ اس دوران تمام سرگرمیاں جاری رہیں۔ جیل سے رہائی کے بعد مولانا ابواللیث صاحبؒ نے امارت سنبھال لی اور پورا نظم حسبِ سابق بحال ہوگیا۔ اس طرح جماعت اسلامی ہند نے اپنے آغاز ہی میں اپنی تنظیمی مضبوطی کو ثابت کردیا۔

امارت کی شاندار تاریخ

جماعت کے پہلے امیر مولانا ابواللیث اصلاحی ندویؒ تھے، جنھوں نے انتہائی مشکل دور میں لگاتار 24 سال (1948 سے 1972 تک) تحریک کی قیادت کی۔ بعد میں اس ذمہ داری کے لیے مولانا محمد یوسفؒ کا انتخاب ہوا جو 9 سال (1972 تا 1981) جماعت کے امیر رہے۔ پھر مولانا ابواللیث صاحبؒ کو دوبارہ منتخب کیا گیا اور انھوں نے 1990 تک امارت سنبھالی۔ اس کے بعد

1967 میں امرائے حلقہ جات

(۱) جناب حسنین سیدؒ (حلقہ آسام)
(۲) مولانا شمس پیرزادہؒ (حلقہ بمبئی)
(۳) جناب سراج الحسنؒ (حلقہ میسور)
(۴) جناب عبدالرزاق لطیفیؒ (حلقہ حیدرآباد)
(۵) جناب عبدالعزیزؒ (حلقہ مدراس و حلقہ آندھرا)
(۶) جناب کے سی عبداللہ مولویؒ (حلقہ کیرالہ)
(۷) جناب مظہر الحقؒ (حلقہ راجستھان)
(۸) جناب عبدالباریؒ (حلقہ شمالی بہار)
(۹) مولانا نظام الدین اصلاحیؒ (حلقہ بھوپال)
(۱۰) جناب محمود احمد خاںؒ (حلقہ اورنگ آباد)
(۱۱) جناب محمد شفیع مونسؒ (حلقہ مغربی یوپی و دہلی)
(۱۲) جناب عبدالفتاحؒ (حلقہ مغربی بنگال و اڑیسہ)
(۱۳) مولانا عبدالغفارؒ (حلقہ وسطی یوپی)
(۱۴) مولانا حبیب اللہؒ (حلقہ مشرقی یوپی)
(۱۵) جناب انیس الدین احمدؒ (حلقہ جنوبی بہار)

2003 تک مولانا محمد سراج الحسن صاحبؒ جماعت کے امیر رہے۔ ان کے بعد یہ ذمے داری ڈاکٹر محمد عبد الحق انصاری صاحبؒ کو سونپی گئی، جو 2003 تا 2007 امیر رہے۔ اس کے بعد 2019 تک مولانا سید جلال الدین صاحب عمریؒ امیر جماعت رہے۔ اور اب جوان قائد و مفکر سید سعادت اللہ حسینی صاحب جماعت اسلامی ہند کے امیر ہیں۔ امارت کی حوالگی اور تبدیلی کا یہ پورا سفر ٹھوس اور پختہ شورائی بنیادوں پر جاری رہا۔

اس پورے عرصے میں محمد یوسف صاحبؒ، افضل حسین صاحبؒ، شفیع مونس صاحبؒ، محمد جعفر صاحب، نصرت علی صاحبؒ، انجینئر محمد سلیم صاحب بالترتیب قیم جماعت رہے۔ موجودہ قیم ٹی عارف علی صاحب ہیں۔

بڑی آزمائش کے بہترین نتائج

جماعت اسلامی ہند کی تاریخ میں سب سے بڑی آزمائش ایمرجنسی کے زمانے میں پیش آئی۔ لیکن اپنے نتائج کے لحاظ سے یہ جماعت کی تاریخ کا سب سے زیادہ ثمر آور موقع تھا۔ قیم جماعت افضل حسین صاحبؒ اپنی رپورٹ میں لکھتے ہیں:

ملک میں ایمرجنسی کے نفاذ کا اگرچہ بہت برا اثر پڑا تھا، کیوں کہ شہریوں کے جملہ بنیادی حقوق معطل کر دیے گئے تھے، جماعت اسلامی کی سرگرمیوں پر پابندی لگادی گئی تھی اور بعض دوسری جماعتوں کی طرح اس کے ذمہ داروں اور کارکنوں کو بھی حوالہ زنداں کر دیا گیا تھا۔ جماعت کے دفاتر اور مکتبہ جات وغیرہ ہی نہیں بلکہ متعدد افراد کے ذاتی مکانات اور دکانیں بھی آخر تک سربمہر رہیں۔ لیکن باری تعالیٰ کی شان نرالی ہے کہ یہ فتنہ جتنا بڑا تھا اس سے کہیں زیادہ بڑا خیر اس سے برآمد ہوا کہ مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں کی ایک خاصی بڑی تعداد کو اسلام، مسلمانوں اور تحریک اسلامی کو سمجھنے کا پورا موقع ملا۔ محکمہ جات، جیل، پولیس اور عدالت کا عملہ اور ملک کی تمام اپوزیشن پارٹیوں کے ذمہ دار اور کارکن جن سے جیلوں میں اور باہر سابقہ پیش آیا، نہ صرف یہ کہ وہ ہم سے متعارف ہوئے بلکہ ان سے اچھے برادرانہ تعلقات قائم ہوئے۔ اور انھوں نے حسب توفیق اچھے اثرات قبول کیے، الحمد للہ۔ اس طرح جماعت کا حلقہ تعارف واثر خاصا وسیع ہوا اور جماعت کی ساکھ اور نیک نامی کو بھی بڑا فائدہ پہنچا جس کی عام حالات میں توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔

ملک کی حکم راں اور معروف اپوزیشن پارٹیوں کے بہت سے ذمہ داروں اور کارکنوں سے جماعت کے افراد پہلے سے ایک حد تک متعارف تھے اور ان سے ملاقاتوں کا موقع بھی ملتا رہتا تھا لیکن آر ایس ایس کا معاملہ مختلف تھا۔ اس کے گنے چنے افراد ہی سے جماعت کے بعض مقامات کے لوگ کسی درجہ میں ربط رکھتے تھے۔ حسن اتفاق کہ جیلوں میں بڑی تعداد اسی تنظیم کے ذمہ داروں اور کارکنوں کی تھی۔ اس لیے ان سے بڑے پیمانہ پر ربط وملاقات اور باہم سمجھنے سمجھانے اور ایک دوسرے کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ جیلوں میں اور اس کے باہر آجانے پر بھی ان کی طرف سے پریس اور پلیٹ فارم کے ذریعے جماعت کے بارے میں اچھے تاثرات کا اظہار ہوا۔ (چھٹا کل ہند اجتماع نمبر، دعوت)

حکومت کی روش اور جماعت کا رویّہ

یہ بات قابل ذکر ہے کہ ایک طرف جماعت کے ساتھ حکومت کی روش غیر ذمہ دارانہ بلکہ

نہایت ظالمانہ تھی، دوسری طرف حکومت اور ملک کے تعلق سے جماعت کا رویہ ہمیشہ خیر خواہی کا رہا۔ جماعت کے ملک اور اہل ملک سے خیر خواہانہ تعلق کا عالم یہ رہا کہ 1970 میں جب کانگریسی حکومت کی طرف سے جماعت پر نشانہ سادھا جا رہا تھا، قیم جماعت سے سوال کیا گیا کہ کیا حکومت کی طرف سے جماعت پر پابندی لگائی جاسکتی ہے؟

قیم صاحب نے کہا: دستور کی رو سے ایسا کرنا بہت مشکل ہے لیکن اس وقت پابندی لگانے یا نہ لگانے سے کہیں زیادہ اہم مسئلہ یہ ہے کہ سوسائٹی کو انتشار سے کیسے بچایا جائے۔ (دعوت: 17 جون 1970)

ملک کے ساتھ جماعت کی خیر خواہی کے حوالے سے دو مثالیں پیش کرنا کافی ہوگا۔

ہند چین جنگ اور جماعت اسلامی ہند کا موقف

1962 میں چین نے ہندوستان کے خلاف جنگ چھیڑ دی، اس موقع پر امیر جماعت اسلامی ہند مولانا ابو اللیث صاحبؒ نے بیان دیا کہ ہندوستان پر چین کا تازہ جارحانہ حملہ ہر طرح سے مذمت کا مستحق ہے۔ یہ نہایت افسوسناک بات ہے کہ چین نے ہندوستان کی امن پسندی اور صلح جوئی کی کوئی قدر نہیں کی اور جیسا کہ کمیونزم کا خاصہ ہے، مکر و فریب سے کام لیتے ہوئے ایک طرف تو مصالحت کے لیے نامہ و پیام کرتا رہا اور دوسری طرف چپکے چپکے حملہ کے لیے تیاریاں بھی کرتا رہا اور دفعتاً کسی معقول وجہ کے بغیر اس نے نیفا اور لداخ میں جارحانہ کارروائیاں بڑے پیمانہ پر شروع کر دی ہیں۔ اس صورت حال پر ہندوستان کے ہر باشندے کا انتہائی تشویش اور اضطراب میں مبتلا ہو جانا ایک بالکل قدرتی بات ہے۔ چین کی یہ جارحانہ کارروائیاں ملک کی عزت و خودداری کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی ہیں جس کا ملک کے شایان شان جواب دینا ضروری ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ حکومت ہند نے چینی جارحیت کا مقابلہ کرنے اور ملک کی عزت و ناموس اور اس کی آزادی کو ہر قیمت پر محفوظ

رکھنے کا تہیہ کرلیا ہے۔ اس ضروری کام میں حکومت کی ہر طرح مدد کرنا ہندوستان کے ہر شہری کا ایک ضروری فرض ہے اور مجھے یقین ہے کہ اس موقع پر مسلمانان ہند اپنے فرض کی ادائیگی میں کسی سے پیچھے نہ رہیں گے۔ مسلمانوں کو حکومت یا اکثریت سے شکایات ہوسکتی ہیں اور ہیں لیکن اس وقت سوال ملک کی عزت و ناموس اور آزادی کے تحفظ کا ہے جتنا کسی اور کا نہیں۔ اور مسلمانوں کو اس موقع پر خاص طور سے یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہیے کہ ہندوستان کی سرحدوں پر اشتراکیت کی پیش قدمی، جمہوریت اور اخلاقی اور روحانی قدروں کے لیے بھی ایک زبردست خطرہ کی حیثیت رکھتی ہے، جس کو ہر حال میں دور کرنے کی کوشش کرنا ایک اہم فریضہ ہے۔

مولانا نے مزید کہا: میں عام باشندگان ملک اور خاص کر مسلمانانِ ہند کو اس طرف متوجہ کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ چینی جارحیت کے مقابلہ کے لیے جہاں ہر طرح کے مادی وسائل و ذرائع فراہم کرنے کی ضرورت ہے، وہیں اس سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ مادہ پرستی کے غلبہ و استیلا کی بنا پر ملک جس اخلاقی ابتری اور کردار کے انحطاط کا شکار ہو چکا ہے اس کی اصلاح و تدارک کی بھی فکر کی جائے اور ان سماجی سرگرمیوں پر بھی نظر ثانی کی جائے جن کے باعث کردار کی پختگی ختم ہوتی جارہی ہے۔ کیوں کہ لڑائی میدان جنگ میں ہی جیتی نہیں جاتی بلکہ اس کے فیصلہ کا اصل مدار قوم کے اخلاق و کردار پر ہے۔ (دعوت، 28 اکتوبر 1962)

یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ امیر حلقہ جماعت اسلامی ہند مغربی بنگال عبد الفتاح صاحب اس وقت بے بنیاد الزامات کی بنا پر جیل میں بند تھے، انھوں نے وہاں سے مرکز جماعت کو خط لکھا جو دعوت اخبار میں شائع ہوا، اس میں انھوں نے لکھا: ”میں امید کرتا ہوں کہ اس نازک اور سنگین موقع پر جماعت اسلامی ہند بھی اپنا دینی، اخلاقی اور انسانی فریضہ ادا کرنے میں کسی سے پیچھے نہ رہے گی اور اپنی پوری طاقت اور وسائل و ذرائع کے ساتھ ملک و مذہب کی حفاظت کے لیے حکومت اور ملک کی دفاعی کوششوں اور کاموں کی مکمل تائید و حمایت کرے گی۔ نیز اپنی تمام تنظیمی شاخوں اور افراد

جماعت کے ذریعہ ملک کے گوشہ گوشہ میں عام لوگوں کے مورال (morale) کو اونچا کرنے اور ان کے جذبہ دفاع کو ابھارنے کی پوری کوشش کرے گی۔ اور خاص طور سے مسلمانوں کو آمادہ کرے گی کہ پورے جوش وخروش کے ساتھ ملک کے دفاع میں حصہ لیں۔" (دعوت: 16 نومبر 1962)

ہند پاک جنگ اور جماعت اسلامی ہند کا موقف

1965 کی ہند پاک جنگ کے موقع پر جماعت کے ارکان و کارکنان کی گرفتاریاں ہوئیں، اس کے باوجود مرکز جماعت اسلامی ہند کی طرف سے رفقا کو ہدایت کی گئی کہ ارباب حکومت کی زیادتی کے باوجود ملکی خدمات میں حصہ لیجیے۔

ہدایات میں کہا گیا کہ یہ گرفتاریاں ہمارے اپنے خیال کے مطابق خواہ کتنی ہی غلط اور بے محل کیوں نہ ہوں لیکن جنگ کی وجہ سے جو ہیجانی کیفیت رونما ہو چکی ہے اس کے لحاظ سے وہ تعجب انگیز ہرگز نہیں ہیں۔ اس لیے انھیں نہایت صبر کے ساتھ برداشت کرنا چاہیے۔

مزید یہ بھی کہا گیا کہ اس موقع پر شاید اس سے کوئی خاص فائدہ نہ پہنچ سکے کہ ان بے جا گرفتاریوں پر احتجاج یا شکوہ شکایت کی جائے اس لیے اس کے بجائے امن وامان کے قیام اور فرقہ وارانہ اتحاد وہم آہنگی اور شہری دفاعی کوششوں، ہوم گارڈ وغیرہ میں سرگرمی سے حصہ لیں۔ اور ان کاموں کے انجام دینے کے سلسلے میں مقامی ذمہ داران حکومت اور دیگر مقامی جماعتوں کے ذمہ داروں سے ربط وتعلق قائم کریں۔ ارباب حکومت کا طرز عمل ہمارے ساتھ خواہ کچھ بھی ہو اس سے صرف نظر کرتے ہوئے ہمیں اپنا دینی وملکی فرض انجام دینا ہے۔ (محمد یوسف، قیم جماعت اسلامی ہند، دعوت: 16 ستمبر 1965)

امیر جماعت اسلامی ہند مولانا ابو اللیث صاحبؒ نے اپنے ایک بیان میں تمام جماعتی شاخوں اور مقامی رفقائے جماعت کو ہدایت کی کہ ملک کی موجودہ نازک صورت حال میں اپنی ان ذمہ داریوں

کو ادا کرنے کے لیے پوری طرح سرگرم عمل ہو جائیں، جو ان سنگین حالات نے اہل ملک کے ساتھ خود ان کے اوپر بھی ڈال دی ہیں۔ موصوف نے مرکز کے سابقہ اعلانات کا حوالہ دیتے ہوئے رفقا کو خاص طور سے ہدایت کی کہ شہری امن و امان کے قیام اور وقتی حالات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے جو کمیٹیاں قائم ہو رہی ہیں۔ ان میں ہمارے رفقا پوری سرگرمی سے حصہ لے کر اپنا فرض ادا کرنے کی کوشش کریں اور اس مقصد کے لیے مقامی ذمہ داران حکومت سے بھی ربط قائم کریں۔ ریڈ کراس کی طرف سے کپڑے اور کمبل وغیرہ کے لیے جو اپیل کی گئی ہے اس میں بھی پوری طرح حصہ لیں۔ محترم امیر جماعت نے فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو برقرار رکھنے اور نازک حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے لوگوں میں حوصلہ مندی، مستقل مزاجی، فرض شناسی، خود اعتمادی اور جرأت و پامردی کے جذبات پیدا کرنے اور ناجائز نفع خوری اور ذخیرہ اندوزی وغیرہ کی روک تھام کے لیے مؤثر جد و جہد کرنے اور اپنے کو خطرات میں ڈال کر مظلوموں اور مصیبت زدوں کو امداد پہنچانے کی طرف بھی رفقا کو متوجہ کیا ہے۔ آخر میں موصوف نے رفقا کو ہدایت کی ہے کہ وہ خود بھی بارگاہ الٰہی میں دعا کریں (اور دوسرے لوگوں کو بھی اس کی طرف متوجہ کریں) کہ جنگ کے بادل جلد چھٹ جائیں۔ اور امن و امان بحال ہو۔ آمین۔ (دعوت: 11 ستمبر 1965)

پنڈت سندر لال کی گواہی

یہ 1970 کی بات ہے۔ فرقہ پرست طاقتیں ملک میں فسادات کرا رہی تھیں اور حکومت کے بعض افراد ان کے ساتھ جماعت اسلامی کا نام بھی بدنام کر رہے تھے۔ ایسے میں ملک کے نام ور سماجی رہنما پنڈت سندر لال نے جماعت کے بارے میں بے لاگ بیان دیا۔ انھوں نے کہا:

> مجھے دعویٰ ہے کہ میں جماعتِ اسلامی کے بعض نمایاں ممبروں کو قریب سے جانتا ہوں۔ میں نے ڈاکٹر سید محمود کے ہم راہ جماعت کے بعض اہم ممبروں کی رفاقت میں ملک کے کئی حصوں کا دورہ کیا ہے۔ ان دوروں کا مقصد محض یہ تھا کہ ملک میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی

کے قیام، استحکام اور اشاعت کی کوشش کی جائے۔ خاص طور سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد پیدا کیا جائے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ کس طرح کئی جگہوں پر مقامی جن سنگھ کے بعض ممبر ہماری تقریروں سے متاثر ہوئے تھے اور خاص طور سے جماعتِ اسلامی والوں نے انہیں متاثر کیا تھا اور انہوں نے اسٹیج پر آ کر صدر کی اجازت حاصل کرنے کے بعد ملک میں ہندو مسلم اتحاد پیدا کرنے کے لیے ہماری حمایت کی تھی۔ میں پوری ذمہ داری سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر ملک میں کوئی ایسی جماعت ہے جو فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور ہندو مسلم اتحاد کا مقصد لے کر کھڑی ہوئی ہے تو وہ جماعتِ اسلامی ہے۔

جماعتِ اسلامی ہند کا اصل مقصد اس ملک میں اسلام کی توسیع و اشاعت ہے۔ ایک شخص کو اختیار ہے کہ وہ اس مقصد سے اتفاق یا اختلاف کرے لیکن جب تک اس راہ میں کی جانے والی کوششیں پر امن ہیں کسی کو اس پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اسی طرح اگر برہمو سماج یا آریہ سماج جیسی کوئی دوسری مذہبی تنظیم پورے ملک کو اپنے پرچم تلے جمع کرنا چاہے تو جب تک اس کے ذرائع پر امن ہیں کسی کو اس پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ جماعت اسلامی کو نیم فوجی تنظیم کہنا غلط اور بے جا ہے۔ جماعت اسلامی ملک کے کسی بھی حصہ میں اپنے رضا کاروں کو یا کارکنوں کو کسی قسم کی فوجی تربیت نہیں دیتی۔ جماعت ہندوستان میں کسی بھی جگہ اعلانیہ طور پر یا خفیہ طور پر اپنے رضا کاروں، کارکنوں کو نہ ہی تیغ زنی کی تربیت دیتی ہے نہ ہی خنجر زنی، نیزہ بازی یا کسی اور ہتھیار کے استعمال کی۔ میں اس بات کو پھر پورے زور و قوت کے ساتھ دہراتا ہوں کہ جماعت اسلامی کو کسی بھی طرح آر ایس ایس یا ایسی کسی تنظیم کے ساتھ ملا کر نیم فوجی تنظیم نہیں کہا جا سکتا۔

(نیشنل ہیرالڈ، بحوالہ دعوت، 22 جولائی 1970)

جماعت پر پابندی اور جماعت کی پامردی

6 دسمبر 1992 کو بابری مسجد کے انہدام کے بعد جب ملک کی فرقہ وارانہ فضا حد درجہ خراب ہوگئی اور مختلف شہروں اور دیگر مقامات پر بڑے پیمانے پر فسادات کی آگ بھڑک اٹھی۔

اس کے بعد اس وقت کے وزیر اعظم جناب پی وی نرسمہاراؤ کے ایک اخباری بیان سے یہ خیال کیا جانے لگا کہ ایمرجنسی کی طرح کیا حکومت، جماعت کی سرگرمیوں پر پھر پابندی لگانا چاہتی ہے چناں چہ اس سلسلے میں امیر جماعت نے وزیر اعظم کو ایک خط لکھا جس میں لکھا:

> ”جماعت اسلامی ہند اپنے دستور، پالیسی، پروگرام اور اول تا آخر اپنی کارگزاری کی رو سے اب ملک میں یہ عام تعارف رکھتی ہے کہ نہ صرف یہ کہ کسی پہلو سے بھی جماعت کے خلاف فرقہ پرستی کا گھناؤنا الزام لگایا نہیں جاسکتا بلکہ وہ تو فرقہ پرستی کے خاتمے کی علم بردار جماعت ہے۔ وہ ملک کے تمام باشندوں بلکہ تمام انسانوں کو اسلامی نقطہ نظر کے مطابق بھائی بھائی کی حیثیت دیتی ہے اور کسی شخص کے ساتھ ادنی درجے کا امتیازی سلوک بھی اس کی نگاہ میں ایک گناہ کا درجہ رکھتا ہے۔حکومت کا کوئی اقدام اگر اپنا کوئی اخلاقی و قانونی جواز نہ بھی رکھتا ہو اس حالت میں بھی جماعت حتی الوسع پرامن رہ کر راہ راست کو اختیار کیے رہے گی۔ مگر کیا کسی کھلم کھلا غیر عادلانہ اقدام کا سرے سے کوئی ردعمل ہی نہ ہوگا۔“

بہر حال 10 دسمبر 1992 کو ایک نوٹیفکیشن کے ذریعے غیر متعلق سرگرمیوں کی روک تھام سے متعلق قانون مجریہ 1967 کے تحت چار دیگر تنظیموں کے ساتھ جماعت اسلامی ہند پر پابندی لگادی گئی۔ اس پابندی کے خلاف اپیل پر ہندوستانی سپریم کورٹ نے 7 دسمبر 1994 کو جماعت اسلامی ہند پر حکومت کی پابندی کو کالعدم قرار دے دیا۔

دو سال کی یہ طویل پابندی بھی جماعت اسلامی ہند کے پائے استقامت کو ہلا نہیں سکی، پابندی کے ہٹتے ہی جماعت نے نئے اور بلند تر عزائم کے ساتھ اپنی پالیسی اور پروگرام کے مطابق کام جاری رکھا۔

جب جماعت کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا

یہ 1979 کی بات ہے۔ پاکستان کے معزول وزیر اعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو ایک قتل کے مقدمہ میں پاکستان کی عدالت عالیہ نے موت کی سزا سنائی اور اس پر عمل درآمد ہوا۔ جس بات سے

جماعت کا دور کا بھی واسطہ نہ تھا اسے جماعت کے خلاف بلاجواز پروپیگنڈے کا ذریعہ بنایا گیا۔ چناں چہ ہندوستان بھر میں جماعت اسلامی ہند کے خلاف طوفان شورش برپا کیا گیا اور جماعت اور اس کے کارکنوں کی املاک کو نقصان پہنچایا گیا۔ کئی کارکنوں کو جسمانی اذیت دی گئی اور بعض کو شہید کر دیا گیا۔ جماعت کے خلاف اشتعال انگیز تقریریں کی گئیں، ان کے گھروں پر پتھراؤ کیا گیا، کہیں دھمکیاں اور کہیں گالیاں دی گئیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ سارا تشدد مسلمانوں کے بعض گروہوں نے کیا۔ اس میں سرخ انقلاب کے علم بردار بھی شامل تھے اور دین داری کے دعوے دار بھی شریک تھے۔ لیکن امیر جماعت محمد یوسف صاحبؒ کے الفاظ میں: ''اللہ تعالی کا بڑا فضل و کرم ہے کہ رفقائے جماعت نے ان مشکل حالات میں صبر وضبط کا دامن نہیں چھوڑا۔'' امیر جماعت نے تمام مسلمانوں کے نام ایک کتابچہ لکھا جس میں گویا اپنا کلیجہ نکال کر رکھ دیا۔ انھوں نے لکھا:

> ''امت مسلمہ، خاص طور سے ان کے علما اور مفکرین کے غور کرنے کی بات یہ ہے کہ آیا اس منکر کے ازالہ کی کوئی فکر کی جائے یا اس ناسور کو بڑھنے دیا جائے۔ آج اگر اس کے سدّباب کی کوشش نہ کی گئی تو کل یہ مرض اور ترقی کر جائے گا، اس لیے کہ اس زمانہ میں جب کہ (بنگلہ دیش میں) جمعیۃ العلماء کے خلاف غیظ وغضب کا مظاہرہ ہوا تھا تو اس کے مرتکب وہ لوگ تھے جنھوں نے مغربی تہذیب کا جام نوش کیا تھا اور اب تو اس جام میں مغربی، جاہلی اور سرخ شراب کی آمیزش بھی ہوگئی ہے جس نے اس کو سہ آتشہ کر دیا ہے اور آج کے مسلمان نوخیزوں کو اس نے گذشتہ دور کے مسلمانوں سے زیادہ بدمست اور سرمست بنادیا ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اگر اس منکر کے ازالہ کی فکر نہ کی گئی تو جو نازیبا سلوک آج جماعت اسلامی کے خلاف روا رکھا گیا ہے، وہ کل کسی دوسری جماعت کے خلاف روا رکھا جا سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ اس سے مسلم جماعت کو محفوظ رکھے۔''
>
> (بحوالہ: کتابچہ، یالیت قومی یعلمون، جماعت پر زیادتی کرنے والوں کو رجوع الی اللہ کی دعوت)

انقلاب کی داعی امن کی حامی

جماعت اسلامی کے قیام کے ساتھ ہی اس کے خمیر میں یہ بات شامل کردی گئی تھی کہ وہ ہندوستان میں صالح سماج و نظام کے قیام کے لیے پر امن جدو جہد کرے گی۔ 26 اپریل 1947 کی شام، ریاست مدراس میں امیر جماعت اسلامی مولانا سید ابوالاعلی مودودیؒ نے تقسیم کے بعد ہندوستان میں رہ جانے والے تحریکی کارکنوں کو جو ہدایات دی تھیں ان میں پہلی ہدایت وہ تھی جس نے آگے چل کر جماعت اسلامی ہند کے سفر کی سمت اور اس کی سرگرمیوں کے مزاج کو متعین کردیا تھا۔ مولانا مودودیؒ نے فرمایا تھا:

> ”سب سے مقدم کام یہ ہے کہ اُس قومی کش مکش کا خاتمہ کیا جائے جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اب تک برپا رہی ہے۔ میرے نزدیک یہ بات پہلے بھی غلط تھی کہ مسلمان اسلام کے لیے کام کرنے کے بہ جائے اپنے قومی اغراض اور مطالبوں کے لیے لڑتے رہے۔ مگر اب تو اس لڑائی کو جاری رکھنا محض غلطی نہیں بل کہ مہلک غلطی اور احمقانہ خودکشی ہے۔ اب یہ نہایت ضروری ہے کہ مسلمان اپنے طرزِ عمل کو بالکل بدل دیں۔
>
> لہٰذا اب ہمیں وسیع پیمانے پر مسلمانوں میں ایسی رائے عام تیار کرنی چاہیے کہ وہ بہ حیثیت ایک قوم کے حکومت اور اس کے نظام سے بے رخی اختیار کرلیں اور ہندو قوم پرستی کو اپنے طرزِ عمل سے یہ اطمینان دلادیں کہ میدان میں کوئی دوسری سیاسی قومیت اس کے ساتھ کش مکش کرنے کے لیے موجود نہیں ہے۔“ (روداد جماعت اسلامی، حصہ پنجم)

یہ اپنے آپ میں ایک انوکھا اور بے نظیر مشورہ تھا۔ قوموں کی تاریخ میں شاید ہی کسی رہ نما نے کبھی ایسا مشورہ دیا ہو۔ قوموں کے رہ نما عام طور سے اپنی قوم کو قومی اغراض اور مطالبوں کے لیے مہمیز لگاتے ہیں، نہ کہ ان سے دست بردار ہونے کا مشورہ دیتے ہیں۔ اپنی قوم کو اس طرح کا مشورہ دینے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ماحول کو پُر امن بنانے اور فضا کو اجتماعی زندگی کے لیے سازگار رکھنے کی خاطر بہت بڑی قربانی دینے کے لیے آمادہ کیا جارہا ہے۔ ایسا مشورہ دینے والا قائد اور اس

مشورے کو گرہ میں باندھنے اور دستور میں جگہ دینے والی جماعت جانتے بوجھتے کوئی ایسا کام کر ہی نہیں سکتی جو نفرت کی آگ بھڑکانے اور تشدد کو ہوا دینے والا ہو۔

1956 میں جب جماعت اسلامی ہند کے دستور میں پہلی بار طریقِ کار کو درج کیا گیا تو اس میں صاف لفظوں میں لکھا گیا:

> ”جماعت اپنے تمام کاموں میں اخلاقی حدود کی پابند ہو گی اور کبھی ایسے ذرائع اور طریقے استعمال نہ کرے گی، جو صداقت و دیانت کے خلاف ہوں یا جن سے فرقہ وارانہ منافرت، طبقاتی کشمکش اور فساد فی الارض رونما ہو۔
>
> جماعت اپنے نصب العین کے حصول کے لیے تعمیری اور پر امن طریقے اختیار کرے گی۔ یعنی وہ تبلیغ و تلقین اور اشاعت افکار کے ذریعے ذہنوں اور سیرتوں کی اصلاح کرے گی اور اس طرح ملک کی اجتماعی زندگی میں مطلوبہ صالح انقلاب لانے کے لیے رائے عامہ کی تربیت کرے گی۔“ (دستور جماعت اسلامی ہند، دفعہ 5)

خوف پر غلبہ، جوش پر قابو

جماعت اسلامی ہند کی پوری تاریخ گواہ ہے کہ اس نے کبھی کوئی ایسی سرگرمی انجام نہیں دی، اور نہ ہی کوئی ایسا بیان جاری کیا، جو اس کے دستور میں درج طریق کار سے ٹکراتا ہو۔ جماعت کو حکومت کی طرف سے بھی اور دیگر سیاسی وغیر سیاسی قوتوں کی طرف سے بھی مسلسل زیادتیوں کا سامنا کرنا پڑا، لیکن جماعت کے افراد نے ہمیشہ صبر کا دامن تھامے رکھا۔ کبھی بھی جذباتی ردّعمل ظاہر نہیں کیا۔ جماعت کی طرف سے اخلاقی حدود کی پابندی نے ہر مخالفت اور زیادتی کو جماعت کا قد بلند کرنے کا ذریعہ بنایا۔

جماعت اسلامی ہند کی پوری تاریخ اس پر بھی شاہد ہے کہ اس نے آزمائشوں کا خوف کبھی اپنے اوپر طاری نہیں ہونے دیا۔ اس کے پالیسی اور پروگرام میں حالات کے فہم کا عکس نظر آتا ہے حالات کے خوف کا شائبہ تک نظر نہیں آتا۔ آزاد ہندوستان کی اب تک کی تاریخ میں جماعت اسلامی ہند پر جتنی

آزمائشیں آئیں، ہر چہار جانب سے جتنی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا، جتنی قسموں کے بے بنیاد الزامات لگائے گئے، مقتدرہ اور غیر مقتدرہ قوتوں کی طرف سے جس قدر دھمکیاں ملتی رہیں، شاید کسی اور جماعت کے حصے میں اتناسب کچھ نہیں آیا۔ لیکن جماعت نے ان سب کی پروا کیے بغیر اپنے دستور اور طے شدہ پروگرام کے مطابق پیش قدمی جاری رکھی۔

جماعت کے اجتماعات

کل ہند اجتماعات جماعت اسلامی کی تاریخ میں سنگ ہائے میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہر اجتماع اس بات کا ثبوت ہوتا تھا کہ جماعت مسلسل آگے کی طرف پیش قدمی کر رہی ہے۔ اجتماعات میں عام لوگوں کی بڑی تعداد شریک ہوتی اور لوگ جماعت کی فکر اور رفقائے جماعت کے کردار سے متاثر ہوتے۔ اجتماعات کے بعد عرصے تک بلند فکر اور پاکیزہ کردار کے حوالے سے ان اجتماعات کا ملک بھر میں تذکرہ ہوتا۔

جماعت اسلامی ہند کے 1981 تک چھ کل ہند اجتماعات منعقد ہوئے۔ پہلا کل ہند اجتماع 1951 میں بمقام کوٹھی سعادت یار خاں رام پور منعقد ہوا۔ دوسرا 1952 میں بمقام لکڑ کوٹ حیدر آباد، تیسرا 1960 میں بمقام پریڈ گراونڈ دہلی، چوتھا 1967 میں بمقام زیبا باغ حیدر آباد، پانچواں 1974 میں بمقام گاندھی درشن دہلی اور چھٹا اجتماع 1981 میں بمقام وادی ہدیٰ حیدر آباد منعقد ہوا۔ اس کے بعد ریاستی اور علاقائی اجتماعات عام اور کل ہند ارکانِ جماعت کے اجتماعات کا سلسلہ جاری ہوا۔

اجتماعات میں ایثار و قربانی اور اطاعت و ڈسپلن کے دل کش مناظر دیکھنے کو ملتے تھے۔ ہم ایسے دو حسین مناظر کے تذکرے نقل کریں گے۔

ایک منظر

12 نومبر کی رات تھی ٹھنڈی اور بھیگی رات، رات کو دس یا گیارہ بجے کا وقت ہوگا۔ ایک

ضعیف العمر بزرگ پانی کی بالٹیاں بھر بھر کر لارہے تھے اور طہارت خانے کی ٹنکیوں میں ڈال رہے تھے۔ والنٹیر کا بیج بازو پر لگائے ہوئے اس شخص کو دیکھ کر کوئی یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ یہ کوئی ممتاز عالم اور مشہور طبیب ہے۔ کام لینے والوں کو تو کیا پتہ ہوتا ان کے کیمپ میں جس نے آ کر جہاں نام لکھوا دیا لکھ لیا گیا۔ لیکن کام کرنے والے میں بھی ایک لمحہ کے لیے خود پرستی کا یہ شائبہ تک نہیں گزرا کہ وہ سوسائٹی کا کوئی ممتاز فرد ہے۔ بیشک یہ اللہ کے بندوں کا اجتماع تھا جس میں بہت سی مری ہوئی سنتیں زندہ کی جارہی تھیں۔ (تیسرا کل ہند اجتماع، دعوت ص: 224)

دوسرا منظر

"گیا (بہار) سے 75 افراد کے لیے ایک بوگی ریزرو کی گئی تھی لیکن عین موقع پر چند ایسے رفقا اور نئے افراد جن کی تعداد بارہ تھی اور جو اجتماع میں شرکت کا فیصلہ قدرے تاخیر سے کر پائے تھے اسی بوگی سے سفر کرنے کے خواہش مند ہوئے تا کہ اجتماعیت کی برکات سے مستفید ہوسکیں لیکن ان مہمانوں کی اچانک آمد نے امیر سفر اور اہلیان سفر کے لیے ایک مسئلہ پیدا کر دیا۔ کیوں کہ بعض حضرات کو اپنی برتھ خالی کرنے میں تردد ہو رہا تھا۔ اس کے بعد کیا ہوا، راوی کہتا ہے "بحث وتکرار کی ضرورت نہیں، جتنے ارکان اپنی برتھوں پر براجمان ہیں وہ کل کے کل اپنی برتھوں کو فوراً خالی کر دیں۔ اور فرش پر اپنے بستر لگالیں"۔ پٹنہ کمشنری کے ناظم جناب ارتضاء الدین صاحب کی پر وقار آواز اور ان کے بروقت فیصلے سے میرے خیالات کے تانے بانے بکھر گئے اور پورے ڈبے میں ایک سناٹا چھا گیا۔ پھر میری آنکھوں نے وہ منظر دیکھا جس کا مشاہدہ عملی دنیا میں اس سے قبل میری نگاہوں سے کبھی نہیں گزرا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے تمام ارکان نے کمال مستعدی کے ساتھ اپنی اپنی برتھیں خالی کر دیں اور خوشی خوشی فرش پر اپنے بستر لگالیے۔ کتنے ہی ہمدرد نوجوانوں نے ضعیف و ناتواں اور بیمار ارکان کی حالت پر ترس کھا کر اپنی اپنی برتھوں کی پیش کش کی لیکن انھوں نے نہایت بے پروائی کے ساتھ اس پیش کش کو نظر انداز کر دیا۔ اپنے امیر کے

حکم پر بے چون و چرا سر تسلیم خم کر دینے کے اس ایمان افروز منظر نے جماعت کے بہت سے نئے ہمدردوں کو بہت متاثر کیا" (دعوت، چھٹا کل ہند اجتماع نمبر)

ہندوستانی زبانوں میں تراجم قرآن، ابتدا کیسے ہوئی؟

جماعت کے چھٹے کل ہند اجتماع میں جو 1981 میں حیدر آباد میں ہوا تھا، ملک کی بارہ زبانوں میں قرآن مجید کے ترجموں کا اجرا عمل میں آیا۔ بیرون ملک کی مشہور اسلامی شخصیات بھی شریک تھیں۔ مولانا ابو اللیث صاحبؒ نے ترجمہ قرآن کے اس عظیم کام کا تاریخی پس منظر بتاتے ہوئے کہا:

"نامناسب نہ ہوگا کہ میں اس موقع پر مختصرا یہ بھی عرض کر دوں کہ آج جو بارہ ملکی زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم کا اجرا ہوا ہے اس کی ابتدا کیوں اور کس طرح ہوئی تھی۔ تقسیم ہند کے کچھ ہی دنوں بعد کا واقعہ ہے کہ آل انڈیا کانگریس کا ایک بہت بڑا سالانہ اجتماع جے پور میں منعقد ہوا تھا۔ وہاں جماعت اسلامی ہند نے اپنا ایک بک اسٹال قائم کیا تھا۔ اجتماع کے خاتمے پر اسٹال کے منتظمین نے مرکزی جماعت اسلامی کو اپنی جو رپورٹ بھیجی تھی، اس میں بہت دکھ کے ساتھ یہ اظہار کیا گیا تھا کہ اسٹال پر بہت سے غیر مسلم حضرات برابر آتے اور اسلام اور ایمان کے موضوع پر کتابیں بہت شوق سے خریدتے رہے لیکن اس کے ساتھ ہی ان کا مطالبہ یہ ہوتا تھا کہ ہندی قرآن فراہم کیا جائے کیوں کہ وہ اسلام کو خود اللہ کے کلام کے ذریعے براہ راست سمجھنا چاہتے ہیں لیکن بدقسمتی سے ان سے سوائے معذرت کے کوئی چارہ کار نہ تھا۔ اس رپورٹ کے بعد ہم نے اپنا فرض سمجھا کہ ہمارے وسائل و ذرائع جس حد تک بھی ساتھ دے سکتے ہوں اپنے غیر مسلم بھائیوں کی اس پیاس کو بجھانے میں کوتاہی نہ برتیں۔ چناں چہ ہم نے اسی وقت اللہ کا نام لے کر اس کام کو انجام دینے کا تہیہ کر لیا اور پہلے ہندی میں ترجمہ کا کام شروع ہوا اور پھر رفتہ رفتہ اپنے وسائل و ذرائع کو سامنے رکھتے ہوئے ملک کی دوسری زبانوں میں بھی ترجمہ کے کام آغاز کر دیا اور بہت سے رفقا کی شب و روز کی محنتوں اور بہت سے اصحاب خیر کی مالی اعانتوں سے یہ کام بحمد اللہ

اس پیمانہ پر انجام پاسکا جس کا حال ابھی آپ نے ملاحظہ فرمایا ہے۔"

(دعوت اجتماع نمبر، 1982)

آگے کی طرف بڑھتے قدم

کہاں 1948 کی بے سروسامانی، افراد کی قلت اور گنے چنے مقامات پر بالکل ابتدائی نوعیت کا کام۔ لیکن چند برس نہیں گزرے کہ اللہ کے فضل سے وسائل کی بہتات ہوگئی، افراد کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا، دعوت وعزیمت کا قافلہ نئے نئے مقامات تک پہنچتا گیا، نوع بہ نوع میدانِ کار کھلتے گئے۔ یہ سب یونہی نہیں ہوا۔ اس کی پشت پر دن رات کی مسلسل محنت اور جان و مال کی ان گنت قربانیاں رہی ہیں۔ عزیمت و استقامت کے ایک دو پیکر نہیں بلکہ ایک بڑا کارواں تھا۔ تذکرہ نگار کو ہر ریاست میں کچھ نمایاں شخصیات ملتی ہیں اور بے شمار گم نام سپاہی، جن کے نام نہیں ملتے لیکن ان کا کام نظر آتا ہے۔ ان میں ایسے بھی ہیں جو خود تو معمولی پڑھے لکھے تھے، لیکن ان کی مخلصانہ جدوجہد نے قد آور علمی شخصیات کو متاثر کیا۔ کتابوں کا جھولا لیے سائیکل پر بیٹھے روزانہ میلوں کا سفر کرنے والے وہ سخت جان اور حوصلہ مند کارکنان تھے جنھوں نے قریہ قریہ بستی بستی اقامتِ دین کا پیغام پہنچایا۔

1952 کی رپورٹ میں ململ (بہار) کی خواتین کا تذکرہ یوں ملتا ہے: "جب مرکزی درس گاہ کی ضرورت ان کے علم میں آئی تو انھوں نے تین سو تولہ سے زائد کے زیورات بطور اعانت مرکزی درس گاہ کو پیش کیے۔" مالابار (کیرلا) کے بارے میں تذکرہ ملتا ہے کہ بیڑی کے کارخانوں میں کوئی ایک رفیق لٹریچر پڑھ کر سناتے ہیں اور دوسرے رفقا اور عام مزدور اپنے کام کے ساتھ لٹریچر سنتے اور تبادلہ خیالات کرتے جاتے ہیں۔ بھوپال (مدھیہ پردیش) میں ایک ہم درد خود مزدوروں کی طرح کام کرتے ہیں اور دعوت و تبلیغ کے فرائض بھی انجام دے رہے ہیں۔ کام کی دھن لوگوں کو کانگریس کے آل انڈیا کنونشن تک لے گئی اور رفقائے جماعت نے وہاں بک اسٹال لگادیا۔

سفر کی رفتار کا اندازہ درج ذیل اعداد و شمار سے لگایا جاسکتا ہے:

★ 1952 میں کل ارکان کی تعداد 401 تھی، 1989 میں 3823 تھی، 2010 میں 7968، اور 2022 میں 13869 ہوگئی۔

★ 1952 میں ارکان خواتین کی تعداد 12 تھی، 1989 میں 179 تھی، 2010 میں 1155، اور 2022 میں 3589 ہوگئی۔

1973 میں ملک بھر میں علاقائی زبانوں میں دار الاشاعتوں کی تعداد نو تھی۔ بنگلہ، آسامی، پنجابی، گجراتی، مراٹھی، تیلگو، کنڑی، تمل، ملیالم۔ ان کے ذریعے اس وقت تک ایک سو اسّی کتابوں کی اشاعت عمل میں آچکی تھی۔ 1989 میں ان کتابوں کی تعداد 550 تک پہنچ گئی۔

1952 میں جماعت کی کل چھ اشاعتیں تھیں، پانچ اردو اور ایک ملیالم زبان میں۔ 1980 میں جماعت کے ہم خیال اخبارات و رسائل کی تعداد سولہ ہوچکی تھی، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) آسامی ہفت روزہ 'مجاہد' گوہاٹی
(۲) بنگلہ ہفت روزہ 'میزان' کلکتہ
(۳) گجراتی ہفت روزہ 'شاہین' احمد آباد
(۴) مراٹھی ہفت روزہ 'شانتی مارگ'
(۵) تیلگو ہفت روزہ 'گیتورائی' حیدر آباد
(۶) کنڑی ہفت روزہ 'سنمارگ' منگلور
(۷) تمل پندرہ روزہ 'سمرسم' مدراس
(۸) ملیالم ہفت روزہ 'پربودھنم' کالیکٹ
(۹) ملیالم ماہنامہ 'بودھنم' کالیکٹ
(۱۰) اردو روزنامہ 'دعوت' دہلی
(۱۱) اردو سہ روزہ 'دعوت' دہلی
(۱۲) اردو ہفت روزہ 'دعوت' دہلی
(۱۳) اردو ماہنامہ 'زندگی' رامپور
(۱۴) ہندی ہفت روزہ 'کانتی' دہلی
(۱۵) عربی پندرہ روزہ 'الدعوۃ' دہلی
(۱۶) انگریزی ہفت روزہ 'ریڈینس' دہلی

ان کے علاوہ پندرہ اخبارات و رسائل اور تھے جو متوسلین جماعت کی نگرانی میں شائع ہورہے تھے۔ اور اب تو ماد ھیمم اخبار اور میڈیا ون چینل کی نمایاں فتوحات اس فہرست میں شامل ہوچکی ہیں۔مرکزی نیوز پورٹل 'انڈیا ٹومارو' کی رسائی بھی لاکھوں افراد تک ہے۔ اس کے علاوہ ہر مقامی زبان میں یوٹیوب چینل ہیں جنھیں دیکھنے والوں کی قابل لحاظ تعداد ہے۔

جماعت اسلامی ہند کی تاریخ کا ایک دلآویز پہلو یہ ہے کہ اس میں کاموں کا تنوع بڑھتا گیا،1952 کی رپورٹ میں ہمیں کام کے چند میدانوں کا ذکر ملتا ہے، 1989 کی رپورٹ میں ہم انواع واقسام کے کام دیکھتے ہیں، جیسے: طالبات، منتخب محلے اور بستیاں، اصلاحی کمیٹیاں، مساجد مراکز تعلیم وتربیت، نرسری اسکول، لڑکوں اور لڑکیوں کے ہمہ وقتی مدارس اور جز وقتی مدارس، اسکول، کالج، تکنیکی ادارے، ہاسٹل، مردوں اور عورتوں کے لیے مرکز تعلیم بالغان، زکاۃ کا اجتماعی نظم، شرعی پنچایتیں، مستقل اور گشتی لائبریری، دار المطالعے، سب بک ڈپو، دار الاشاعت، طبی مراکز، بلاسودی قرض اسکیمیں، گھریلو صنعتیں، کسان مزدور کے کام کے مراکز۔ البتہ ادارہ ادب اسلامی اور ایس آئی او کے ذریعے طلبہ اور اہل ادب کے درمیان کام جماعت کے نظم سے الگ تھا۔

2022 تک پہنچتے پہنچتے جماعت کی کارکردگی کا تنوع مختلف ہم خیال اداروں کی صورت میں نظر آتا ہے۔وژن 2026، موومنٹ فار پیس اینڈ جسٹس (MPJ)، سد بھاونا منچ، دھارمک جن مورچہ، فورم فار ڈیموکریسی اینڈ کمیونل ایمٹی (FDCA)، سینٹر فار اسٹڈیز اینڈ ریسرچ (CSR)، ایسوسی ایشن فار پروٹیکشن آف سول رائٹس (APCR)، آئیڈیل ریلیف ونگ (IRW)، مرکزی تعلیمی بورڈ، گرلز اسلامک آرگنائزیشن (GIO)، شفیع مونس اکیڈمی فار ریسورس ڈیولپمنٹ اینڈ ٹریننگ (SMART)، شریعہ کونسل، اسلامی ساہتیہ ٹرسٹ، انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز اینڈ ریسرچ (IIISR)، بورڈ آف اسلامک پبلی کیشنز (BIP)، آنٹر پرینیورشپ ڈیولپمنٹ سیل (EDC)، رفاہ چیمبر آف کامرس، فیڈریشن آف مسلم ایجوکیشنل انسٹی ٹیوٹس انڈیا (FMEII)، سوسائٹی فار برائٹ فیوچر

(SBF)، ہیومن ویلفیئر فاؤنڈیشن (HWF)، آل انڈیا آئیڈیل ٹیچرز ایسوسی ایشن (AIITA)، سہولت مائیکرو فائنانس، انڈین سینٹر فار اسلامک فائنانس (ICIF)، وغیرہ۔

اللہ کے فضل سے اس وقت جماعت اسلامی ہند کی کوششوں سے ملک کی تمام اہم زبانوں میں قرآن مجید اور دینی لٹریچر کا ترجمہ ہوچکا ہے۔ مسلم طلبہ وطالبات کی تنظیمیں طاقت ور ہوچکی ہیں۔ مسلم خواتین سماج کو بدلنے کے لیے سرگرم ہوگئی ہیں۔ مسلم نوجوانوں کو تعمیری جدوجہد کے میدان مل گئے ہیں جہاں وہ منصوبہ بند طریقے سے سرگرم ہیں۔ فرقہ وارانہ منافرت اور طبقہ وارانہ منافرت کے خلاف جماعت اسلامی ہند کا طاقت ور بیانیہ موجود ہے۔ اسلام کے صحیح تعارف کے لیے ملک گیر مہمات معمول میں شامل ہوچکی ہیں۔ ہر مہم لاکھوں افراد سے رابطے کا ذریعہ بنتی ہے۔ صبح تازہ کی امیدیں قوی تر ہیں۔ تاہم کام ابھی بہت باقی ہے۔

تازہ اعداد وشمار

جماعت اسلامی ہند کا کام بہت سے میدانوں میں بڑھا ہے۔ ہم یہاں خدمت، دعوت اور مسلم معاشرے کی اصلاح کے حوالے سے کچھ اعداد وشمار پیش کریں گے۔

75 سال کی جہد مسلسل کے بعد جماعت کو ملک وملت میں بڑے پیمانے پر اعتماد حاصل ہوا ہے۔ اس اعتماد کے نتیجے میں ملک وملت کے وسائل ملک وملت کی ضرورتوں پر خرچ کرنے میں جماعت کو نمایاں کام یابی حاصل ہوئی۔ 2022 میں پیش کی گئی دوسالہ رپورٹ کے مطابق دوسال کی مدت میں 13,14,595 کی تعداد میں ضرورت مندوں کی مختلف ضرورتیں پوری کی گئیں۔ ملک بھر میں ناگرک سیوا کیندر قائم کیے گئے اور ان کے ذریعے 3,65,501 افراد کی ضروری دستاویزات بنوائی گئیں۔ سرکاری رفاہی اسکیموں سے عوام کو فائدہ پہنچانے کا کام بھی کیا گیا، ان سے 9,33,341 افراد نے استفادہ کیا۔

برادرانِ وطن کا مسلمانوں پر حق ہے کہ وہ انھیں اللہ کے دین سے بخوبی آگاہ کریں۔ اس ذمے داری کا احساس جماعت کو پہلے دن سے رہا ہے۔ اور اس کے لیے کوششیں بھی ہمیشہ کی جاتی رہی ہیں۔ چناں چہ دو سال کے اندر اسلام کے پیغام کو 2,10,173 افراد تک راست پہنچانے کا ہدف حاصل کیا گیا۔ جب کہ میڈیا وغیرہ کے استعمال کے ذریعے عمومی پیغام 66,96,181افراد تک پہنچایا جاسکا۔

مسلم معاشرے کی اصلاح کے بغیر اقامت دین کا کام نہیں ہوسکتا ہے۔ اس پر بھی جماعت کی توجہ ہمیشہ رہی ہے۔ دو سال کی مدت میں ملت کی اصلاح و تربیت کے ضمن میں ملک بھر میں مختلف قسم کے 56,500 پروگرام منعقد کیے گئے۔ جن میں شرکا کی تعداد 68,48,314 تھی۔ 144 فیملی کونسلنگ سینٹر قائم ہوئے، جب کہ دار القضا 13 مقامات پر قائم ہیں۔ مرکز کے فیس بک پیج پر ڈالی گئی ویڈیوز کا مشاہدہ کرنے والوں کی تعداد سولہ لاکھ ہے۔ جب کہ مرکز کے یوٹیوب چینل سے فائدہ اٹھانے والوں کی تعداد تقریباً ساڑھے پانچ لاکھ ہے۔

ملک وملت پر جماعت کے نمایاں اثرات

جماعت اسلامی ہند کے ارکان کی تعداد چند سو، پھر چند ہزار اور اب چودہ ہزار کے قریب تک پہنچی ہے۔ اتنے بڑے ملک میں یہ افرادی قوت بظاہر بہت چھوٹی قوت محسوس ہوتی ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ جماعت کی جدوجہد کے اثرات صرف اس کے کیڈر اور اس کی یونٹوں تک محدود نہیں ہیں۔ وہ اصلاً ایک سماجی تحریک ہے اور اس نے ہندوستانی سماج کے مختلف گوشوں پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ اس کے سماجی اثرات، اس کی افرادی قوت کے تناسب سے کہیں زیادہ ہیں۔

امیر جماعت اسلامی ہند سید سعادت اللہ حسینی بعض اہم اثرات کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

★ جماعت اسلامی ہند نے تعلیم یافتہ مسلمانوں میں دین کا شعور بھی پیدا کیا اور دین، ملک اور ملت کے لیے جدوجہد کرنے اور قربانیاں دینے کا حوصلہ بھی ان کے اندر پیدا کیا۔ جماعت نے

کالجوں اور یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ لوگوں کا دین پر اعتماد بحال کیا۔ اس معاملہ میں اس کے دینی لٹریچر نے جو تاریخی کردار ادا کیا ہے، اسے امت کے تمام اہل علم و دانش تسلیم کرتے ہیں۔

★ دین پر اعتماد بحال کرنے کے ساتھ جماعت نے ان لوگوں کو ملک اور امت کی تعمیر و ترقی کے مثبت عملی پروگرام فراہم کیے۔ جماعت نے ان کو یہ بات سمجھائی کہ مسلمان کی حیثیت سے ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسلام کی دعوت کا فریضہ انجام دیں اور اسلام کی رہ نمائی کے مطابق انسانوں کے مسائل حل کرنے اور ان کی فلاح و بہبود کے لیے سرگرم کردار ادا کریں۔ یہ ان کا دینی فریضہ ہے اور ہندوستان کا جمہوری معاشرہ اس تعمیری جدوجہد کے مواقع اور آزادی انھیں فراہم کرتا ہے۔ تعلیم کے میدان میں دینی و دنیوی تعلیم کی تقسیم کا خاتمہ اور دین کی رہ نمائی کے مطابق جدید عصری تعلیم کا انتظام، معیشت کے میدان میں سود سے پاک قرضوں کی فراہمی، سیاست میں اخلاقی قدروں اور امن و انصاف کے اسلامی اصولوں کی ترویج، غیر مسلم بھائیوں سے ربط و تعلق اور ان میں اسلام کی دعوت کا کام، جدید طریقوں کے مطابق اسلامی تحقیق اور جدید اسلوب میں اسلامی لٹریچر کی تیاری، اسلامی اصولوں کی بنیاد پر ملک و سماج کے مسائل کے حل کے لیے ایک متبادل ڈسکورس کی تشکیل، وغیرہ جیسے دسیوں امور ہیں جن کے سلسلے میں جماعت کے خیالات کسی زمانہ میں اجنبی سمجھے جاتے تھے۔ جماعت نے ایک پوری نسل کی تربیت کی اور اس تربیت کی بنیاد پر نئے خواب اور نئی آرزوؤں کو پروان چڑھایا۔ آج یہ نسل ملک کے مختلف گوشوں میں ان سب میدانوں میں گراں قدر خدمات انجام دے رہی ہے۔ اور یہ خواب اب پوری امت کے خواب ہیں اور امت کے تمام ہی طبقات ان خطوط پر سرگرم عمل ہیں۔

★ جماعت کی ایک بڑی خدمت یہ ہے کہ اس نے ہندوستانی مسلمانوں میں مثبت، تعمیری اور اعتدال پر مبنی اسلامی سوچ کو پروان چڑھایا۔ جماعت نے ملک کے تئیں ایجابی اور مثبت رویہ اختیار کرنے کی فکر عام کی۔ ایسے اقدامات کیے جن سے ایک طرف مثبت اور ایجابی رویئے کی طرف رہ نمائی

بھی ہوتی ہے، اور دوسری طرف منفی، انتہاپسندانہ اور تخریبی رجحانات کی حوصلہ شکنی بھی ہوتی ہے۔ آزادی کے فوری بعد جماعت نے جو پالیسی و پروگرام تشکیل دیا اس میں فرقہ پرستی کے خاتمہ کو ایک اہم ہدف کے طور پر شامل رکھا۔ اور جہاں اکثریتی فرقہ پرستی کے خاتمہ کو اپنا ہدف قرار دیا وہیں خود مسلمانوں میں موجود "قوم پرستانہ" (یعنی فرقہ پرستانہ) رجحانات کے خاتمہ کو اپنا ایک اہم پروگرام قرار دیا۔ آج بھی عالمی سطح پر موجود انتہاپسندانہ رجحانات سے بڑی حد تک ہندوستانی مسلمان محفوظ ہیں۔ اس بات کو ارباب حکومت بھی تسلیم کرتے ہیں۔

★ اس مثبت اور معتدل سوچ کا ایک اہم دینی پہلو یہ ہے کہ جماعت نے امت کے رشتہ کو قرآن سے مضبوط کرنے کی شعوری کوشش کی اور اس میں اسے بڑی کامیابی بھی ملی۔ مسلکوں اور فرقوں میں بٹی ہوئی امت کو اس نے قرآن کی بنیاد پر متحد ہونے کی دعوت دی اور یہ یقین پیدا کیا کہ مسلکی و نظریاتی اختلافات، اتحاد امت کے راستے میں رکاوٹ نہیں ہیں۔ اس کے لیے جماعت نے جگہ جگہ تعلیم یافتہ مسلمانوں کے قرآن فہمی کے حلقے شروع کیے۔ متعدد ترجمے اور تفاسیر شائع کیں۔ تمام علاقائی زبانوں میں قرآن کے تراجم شائع کیے۔ آج قرآن فہمی کی یہ تحریک بھی تمام مسالک اور مکاتب فکر کی تحریک بن چکی ہے۔

★ قرآن فہمی کی مثبت دعوت کے ساتھ، جماعت نے یہ سوچ بھی پیدا کرنے کی کوشش کی کہ مسلمانوں کے مسلکی و دیگر مذہبی اختلافات کی نوعیت جزوی اور فروعی ہے۔ اور ان اختلافات کے باوجود دین کے متفق علیہ حصہ کی بنیاد پر (جو بہت بڑا حصہ ہے) وہ متحد ہوسکتے ہیں اور مل جل کر اپنی منصبی ذمہ داریاں ادا کرسکتے ہیں۔ خود جماعت کی تنظیم میں تمام اہم مسالک کے لوگ موجود ہیں اور اپنے اپنے مسلک پر رہتے ہوئے، ایک جماعت اور ایک نظم کا حصہ ہیں۔ اس عملی مظاہرے کے علاوہ جماعت نے امت کی تمام جماعتوں اور تنظیموں کو مختلف مشترکہ پلیٹ فارموں پر لانے میں اہم اور کلیدی کردار ادا کیا۔

★ جماعت نے امت میں تنظیم سازی اور منظم اجتماعی زندگی کا شعور اور سلیقہ عام کیا۔ ملک کے اکثر حصوں میں تنظیم اور جماعت کا مطلب کسی کرشماتی قائد یا مرشد کے بے زبان مریدوں اور متبعین کا مجموعہ ہے۔ قیادتیں عام طور پر موروثی ہوتی ہیں اور فیصلہ سازی کی مجالس برائے نام ہوتی ہیں۔ ایسے ماحول میں جماعت نے اصولوں اور تحریری دستور کی بنیاد پر ادارہ سازی کے رجحان کو نہ صرف قائم کیا بلکہ مسلسل کئی دہوں سے اسے کام یابی کے ساتھ نبھا بھی رہی ہے۔

★ ادارہ سازی کی اس صلاحیت اور مستحکم جمہوری روایات کا جماعت نے صرف اپنی تنظیم کی حد تک ہی مظاہرہ نہیں کیا بلکہ اس کے وابستگان کے زیر انتظام اور اس کے زیر اثر جو سیکڑوں ادارے اور دیگر تنظیمیں ملک بھر میں سرگرم ہیں ان میں بھی اس اسپرٹ کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ یہ دعوی یقیناً مبالغہ آمیز نہیں ہوگا کہ مثبت جمہوری روایات کے اہتمام میں جماعت نہ صرف تمام دیگر مسلم جماعتوں کے مقابلہ میں بلکہ ملک کی اکثر سیاسی و سماجی تنظیموں کے مقابلہ میں بھی زیادہ کام یاب ہے۔ اور جس جمہوری طریقہ سے یہاں انتخابات ہوتے ہیں، جس آسانی سے قیادتیں تبدیل ہوتی ہیں اور جس شورائی اسپرٹ کے ساتھ فیصلے کیے جاتے ہیں، اس کی نظیر شاید ہی ملک کے کسی اجتماعی نظام میں ملے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستانی مسلمانوں کے قدیم روایتی سماجی ڈھانچہ پر جماعت کی ان نظیروں نے گہرے مثبت اثرات مرتب کیے ہیں اور اب ہر جگہ ایسے ادارے وجود میں آرہے ہیں۔

★ جماعت کی تنظیم سازی کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس نے سماج کے تمام طبقوں کا احاطہ کیا ہے۔ اس کی طلبہ تنظیم ایس آئی او، گذشتہ 40 برسوں سے کام یابی کے ساتھ اپنے دستور کے مطابق کام کر رہی ہے۔ ملک کی کئی ریاستوں میں نہایت فعال طالبات کی اور نوجوانوں کی تنظیمیں ہیں۔ طلبہ اور خواتین کو منظم کرنے میں جماعت کی کوششیں کئی پہلوؤں سے منفرد ہیں۔ طلبہ تنظیم نے پر امن اور قانون کے دائرہ میں رہ کر جدوجہد کرنے کے اصول کو جس کام یابی کے ساتھ، اتنے لمبے عرصہ تک نبھایا ہے وہ ملک کی طلبائی تحریکوں کی تاریخ میں ایک نیا اور روشن باب ہے۔

★ خواتین کا ملک گیر نظام جماعت کام یابی سے چلا رہی ہے اور اس نے اس غلط فہمی کو رفع کیا ہے کہ دین پسند مسلم خواتین، منظم عوامی جدوجہد کی متحمل نہیں ہوسکتیں۔ یا یہ کہ حجاب سماجی سرگرمیوں میں رکاوٹ ہے۔ آج خواتین جماعت کا اہم حصہ اور اس کی قوت کا اہم سرچشمہ ہیں۔ ہر ریاست میں خواتین کے منظم حلقے ہیں۔ جی آئی او کی منظم یونٹیں ہیں۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین سے لے کر عام گھریلو خواتین تک، ہر طبقے کی خواتین جماعت میں موجود ہیں اور اپنی گھریلو ذمے داریوں کے ساتھ دین کی، ملت کی، ملک کی گراں قدر خدمات انجام دے رہی ہیں اور ان خدمات کے لیے اپنی صلاحیتوں کو استعمال کر رہی ہیں۔

★ جماعت کی ایک بڑی اہم کاوش یہ رہی ہے کہ ہندوستان کے مسلمان اور ان کی تنظیمیں صرف اپنے احوال اور مسائل پر سوچنے اور کام کرنے تک محدود نہ رہیں بلکہ ملک اور پورے سماج کی بھلائی کے لیے سوچیں بھی اور کام بھی کریں۔ اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں وہ ملک میں امن و انصاف قائم کرنے کی کوشش کریں۔ متبادل پالیسیاں تجویز کریں۔ اسلام کے مقاصد کی روشنی میں متبادل ڈسکورس کھڑا کریں۔ چناں چہ جماعت مستقل ملک کی سیاسی، معاشی، و دیگر پالیسیوں پر اظہار خیال کرتی رہی ہے۔ سرمایہ دارانہ استعمار کے خلاف اس نے بہت طاقتور آواز بلند کی ہے جس کا اعتراف علمی حلقوں میں کیا جاتا رہا ہے۔

★ مسلمانوں کی فلاحی سرگرمیاں عام طور پر تعلیمی ادارے قائم کرنے تک یا خیراتی کاموں تک محدود تھیں۔ مسلمانوں کی ہمہ جہت ترقی کے لیے یہ ضروری تھا کہ تعلیم کے میدان میں بھی منصوبہ بند طریقہ سے اور ضرورتوں کا تعین کرتے ہوئے اُن کے مطابق کام کیا جائے اور ان کے علاوہ معیشت، مائکرو فائنانس، فراہمی روزگار و ازالہ غربت، صحت عامہ، صفائی و حفظان صحت، وغیرہ جیسے محاذوں پر بھی منصوبہ بند کام کیے جائیں۔ جماعت نے اس کے لیے وژن 2016 پیش کیا۔ الحمد للہ اس وژن نے سماج پر محسوس اثرات مرتب کیے۔ جماعت سے وابستہ اور ہم خیال افراد نے کئی این جی او قائم کیں اور ان کے ذریعے شمالی ہند میں نہایت ٹھوس کام بھی ہو رہا ہے

اور اس کے لیے وسائل بھی دستیاب کرائے جارہے ہیں۔ اس وژن نے بعد میں ملت کے دیگر درد مندوں کو بھی اس ضرورت کی طرف متوجہ کیا اور اب جنوبی ہند کے مختلف علاقوں کی کئی سماجی وفلاحی تنظیموں نے شمالی ہند میں اہم منصوبے شروع کیے ہیں۔ چند سال پہلے وژن 2016 کی کام یاب تکمیل کے بعد وژن 2026 کا اعلان کیا گیا ہے اور امید ہے کہ یہ منصوبہ بھی ملت کی تعمیر و ترقی میں ایک اہم سنگ میل ثابت ہوگا۔

فرض بلاتا ہے

جماعت اسلامی ہند کی تاریخ بتاتی ہے کہ مشکل اور سنگین حالات میں اپنا فرض یاد رکھنے والوں نے اپنے حصے کی ذمے داری ادا کی۔ تاہم حالات کی سنگینی آج بھی برقرار ہے۔ نفرتوں کے سوداگر نفرت بانٹ رہے ہیں۔ ظلم کی چکی میں ملک کے تمام عوام پس رہے ہیں۔ الحاد، خدا بے زاری، انجام سے غفلت، بے راہ روی نئی نسل پر غالب ہے۔ سماج تباہی کی طرف بڑھ رہا ہے۔ یہ تمام حالات اہل اسلام کو ان کا فرض یاد دلاتے ہیں۔

جماعت اسلامی ہند ہندوستانی مسلمانوں کی مشترک قوّت ہے۔ نئی نسل کو جماعت کی تاریخ اور پیش رفت کا شعور ہونا چاہیے۔ اس سے انھیں ہمت اور دانائی ملے گی۔ ہمارے بزرگوں نے جو کام کیا ہے اور اس کے جو اثرات مرتب ہوئے ہیں وہ معمولی نہیں ہیں۔ بہت سے پہلوؤں سے بہت بڑی تبدیلیاں ہمارے بزرگوں کی کوششوں سے اور ان کی قربانیوں سے اس ملک میں اور خاص طور پر یہاں کے مسلم معاشرے میں آئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ تحریک کی ان خدمات کو قبول فرمائے۔ ہمارے بزرگوں کی قبروں کو نور سے بھردے، ان کے درجات بلند فرمائے اور ہم سب کو یہ توفیق بخشے کہ اس مبارک سفر کو ہم تیزی کے ساتھ آگے بڑھا سکیں۔